محدث العصر حضرت مولانا محمد یونس جونپوری صاحب کی عربی شرح نبراس الساری فی ریاض البخاری کی دس اہم خصوصیات

از: یوسف شبیر احمد عفا اللہ عنہ، بلیکبرن یوکے، ۲۹ رجب ۱۴۳۸ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہمارے استاد محترم محدث العصر شیخ الحدیث مولانا محمد یونس جونپوری صاحب (مولود ۱۳۵۶ھ، ۱۹۳۷ء) نے اپنی پوری زندگی نبی اکرم ﷺ کی احادیث کے لئے وقف کردیا ہے۔آپ ہندوستان کے معروف ادارہ مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں پچھلے پچاس سال سے صحیح بخاری کا درس دے رہے ہیں۔ شیخ الحدیث کے اس منصب پر آپ کا تقرر شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۴۰۲ھ، ۱۹۸۲ء) نے ۱۳۸۸ھ میں کیا تھا جب آپ کی عمر نسبۃً کم تھی اور آپ کے بعض اساتذہ بھی بقید حیات تھے۔ حضرت شیخ مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کا اپنے شاگرد پر اعتماد کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ نے اپنی تصنیف الابواب والتراجم میں (۱:۲۶۸و۴۱۹، ۶:۸۸۷) اور اسی طرح لامع الدراری (۱۰:۳۱۹) کے حاشیہ میں اپنے شاگرد حضرت مولانا محمد یونس صاحب کی تحقیقات نقل کی ہے حالانکہ آپ نسبۃً نو عمر تھے۔ بلکہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ اپنے شاگرد رشید سے مراجعت فرماتے رہتے تھے اور دیگر اکابر کو بالخصوص حدیث سے متعلق سوالات کے لئے آپ کی طرف مراجعت کا مشورہ دیتے رہتے تھے۔ چنانچہ مفتی محمود حسن گنگوہی، مولانا علی میاں ندوی، مولانا ابرار الحق ہردوئی، مولانا سعید احمد خان، مولانا عبد الحلیم جونپوری، مولانا عبد الجبار اعظمی، مولانا عاشق الٰہی بلند شہری رحمہم اللہ جیسے اساطین علم آپ سے رجوع فرماکر آپکی تحقیقات سے فیض یاب ہوتے رہتے تھے (دیکھئے الیواقیت الغالیۃ جلد اول وثانی)۔ بلکہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے نام ۲۳ رجب ۱۳۸۷ھ کو ایک پرچے میں یہ لکھ کر بھیجا:

”ابھی کمسن ہیں وہ کیا عشق کی باتیں جانیں
عرض حال دلِ بیتاب کو شکوہ سمجھے

ابھی تدریس دورہ کا پہلا سال ہے اور اس سیہ کار کو تدریس دورہ کا اکتالیسواں سال ہے اور تدریس حدیث کا سینتالیسواں سال ہے، اللہ تعالیٰ تمہاری عمر میں برکت دے اور مبارک مشغلوں میں تادیر رکھے، جب سینتالیس پر پہنچ جاؤگے تو انشاءاللہ مجھ سے آگے ہوگے، فقط۔ اس پرچے کو نہایت احتیاط سے کسی کتاب میں رکھیں، چالیس سال بعد پڑھیں، زکریا، ۲۷ رجب ۱۳۸۷ھ“۔

گذشتہ پچاس سال کی صحیح بخاری کی تدریسی خدمات کے بدولت حضرت شیخ مولانا یونس صاحب نے صحیح بخاری کے علوم اور اسی طرح علم حدیث میں ایسی مہارت اور ایسا تبحر حاصل کیا ہے جو اس دور میں بے مثال ہے۔ امام بخاری اور ان کے طریقہ کار کی پہچان اور معرفت میں آپ کا کوئی ثانی

نہیں ہے۔ چنانچہ جو حضرات آپ سے فیض یافتہ ہیں یا جنہوں نے آپ کی صحبت میں کچھ وقت گذارا ہیں وہ اس حقیقت پر شاہد ہیں۔ اور اس حقیقت کو تسلیم کرنے میں کوئی تعجب بھی نہیں ہونا چاہئے اس لئے کہ آپ نے اپنی زندگی حدیث کے مجموعوں کے درمیان گزاری اور دوسرے خاندانی، سماجی، معاشی معاملات سے اپنے آپ کو دور رکھا۔ اس کے باوجود تواضع اور بے نفسی کا یہ عالم ہے کہ کبھی آپ نے صحیح بخاری کی شرح لکھنے یا شائع کرنے کا ارادہ تک نہیں کیا تھا۔ ابھی کچھ سال پہلے آپ کے کچھ محبین وطلبہ کے اصرار پر آپ نے بخاری شریف کے حواشی کو ترتیب دینے اور اسی طرح اسکو شائع کرنے پر اتفاق کیا۔ درحقیقت یہ حواشی محض حواشی نہیں، بلکہ انمول جواہرات ہے۔ ابھی حال میں بحمدہ تعالیٰ آپ کے کچھ شاگردوں کی محنت کے بعد جن میں بالخصوص ہمارے محبوب شیخ الحدیث حضرت مولانا ایوب سورتی صاحب قابل ذکر و قابل مبارکباد ہے، نبراس الساری فی ریاض البخاری کے نام سے اس عربی شرح کی پہلی جلد شائع ہو کر منظر عام پر آچکی ہے۔ بندہ نے سوچا کہ اس شرح کی کچھ اہم خصوصیات کی طرف متنبہ کر دیا جائے تاکہ طلبہ اس شرح سے زیادہ سے زیادہ مستفید ہو سکیں۔ نیز جو حضرات حضرت شیخ سے واقف نہیں ہیں ان کے سامنے اس شرح کا ایک مختصر تعارف آجائے۔ اس شرح کی خصوصیات کا استیعاب مقصود بھی نہیں اور نہ ہی چند سطور میں اس شرح کا کما حقہ تعارف کیا جا سکتا ہے، پچاس سال کی محنت کو چند سطور میں پیش کرنا ناممکن اور محال ہے۔ بہرکیف اس شرح کی کچھ خصوصیات پیش خدمت ہے:

(۱) تراجم بخاری کی صحیح اور غیر جانب دار ترجمانی

یہ شرح صحیح بخاری کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتی ہے اور بالخصوص تراجم بخاری پر ایک خاص کیفیت اور منفرد شان کے ساتھ حضرت امام بخاری کے دریائے علم اور تراجم کے اغراض کو روز روشن کی طرح واضح کر دیتی ہے۔ اس سلسلہ میں یہ شرح منفرد ہے اور مروجہ بہت شروح سے ممتاز ہے۔ چنانچہ تراجم بخاری پر روشنی ڈالتے ہوئے شراح متقدمین علامہ ابن بطال (متوفی ۴۴۹ھ، ۱۰۵۷ء)، علامہ کرمانی (متوفی ۷۸۶ھ، ۱۳۸۴ء)، حافظ ابن حجر عسقلانی (متوفی ۸۵۲ھ، ۱۴۴۹ء)، حافظ بدر الدین عینی (متوفی ۸۵۵ھ، ۱۴۵۱ء)، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (متوفی ۱۱۷۶ھ، ۱۷۶۲ء) کے افادات کے ساتھ ساتھ ماضی قریب کے مشائخ مولانا رشید احمد گنگوہی (متوفی ۱۳۲۳ھ، ۱۹۰۵ء)، شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی (متوفی ۱۳۳۹ھ، ۱۹۲۰ء)، مولانا محمد زکریا کاندھلوی (متوفی ۱۴۰۲ھ، ۱۹۸۲ء)، علامہ انور شاہ کشمیری (متوفی ۱۳۵۲ھ، ۱۹۳۳ء) وغیرہ کے افادات بھی نقل کئے گئے ہیں۔ ان مشائخ کے افادات وتحقیقات کو ذکر کرنے کے بعد حضرت شیخ مولانا محمد یونس صاحب اپنے نرالے انداز میں ان اقوال کا جائزہ لیتے ہیں۔ کبھی تو شراح کی ایک جماعت کے ساتھ موافقت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں اور اسکی وجہ ترجیح بھی بیان فرمادیتے ہیں (مثلا دیکھئے صفحہ ۳۲۹ و ۵۳۸) اور کبھی تراجم کے متعلق اپنی رائے اور توجیہ پیش فرماتے ہیں جیسا کہ کئی ابواب میں واقع ہے (مثلا دیکھئے صفحہ ۳۳ و ۱۳۳ و ۲۳۵ و ۴۳۴ و ۴۴۵ و ۵۵۱)۔

فی الحقیقت یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل کا نتیجہ ہے جس نے حضرت شیخ کو صحیح بخاری حضرت امام بخاری کے عینک کے ذریعہ دیکھنے اور سمجھنے کی توفیق وسعادت عنایت فرمائی، نہ کہ محض کسی شارح یا کسی مقرر شدہ فقہی موقف کے زاویہ سے (مثلا دیکھئے صفحہ ۴۷۵)۔ حضرت شیخ دامت برکاتہم سے بارہا سنا کہ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہی کا فضل ہے اور اس میں میرا کوئی کمال نہیں۔ بحمدہ تعالیٰ بندہ کو صحیح بخاری پڑھانے کا شرف پچھلے چند سال سے

حاصل ہے اور بندہ اپنی کم علمی کے باوجود یہ کہہ سکتا ہے کہ صحیح بخاری کے بہت سے تراجم ایسے ہیں جہاں حضرت شیخ مولانا یونس صاحب کی توجیہ سب سے زیادہ تشفی بخش اور اقرب الی الصواب معلوم ہوتی ہے، اکثر و بیشتر یہ توجیہات دیگر شروح قدیمہ وحدیثہ میں ملتی نہیں ہے۔اپنے اساتذہ واکابر سے بھی یہی سنا ہے۔الغرض حضرت شیخ کی جدوجہد مراد بخاری کی تہہ تک پہنچنے میں قابل ذکر و قابل مدح ہونے کے ساتھ ساتھ امت کیلئے ایک عظیم سرمایہ ہے۔

(۲) کتابوں کے ایک وسیع ذخیرہ سے استفادہ

اس شرح کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ ہمارے شیخ صحیح بخاری کی معروف شروح فتح الباری، عمدۃ القاری، ارشاد الساری وغیرہ پر اکتفا نہیں فرماتے ہیں۔اکثر شروح جو اس زمانہ میں طبع ہوتی ہے وہ ان ہی کچھ شروح پر اکتفا کرتے ہوئے انہی کا خلاصہ پیش کر دیتی ہے۔زیادہ تر ان میں کوئی نئی بات یا تحقیق نہیں ہوتی۔اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت سے بارہا سنا کہ لا هجرة بعد الفتح ولكن جهاد ونية۔حضرت شیخ مختلف فنون، اصول حدیث، شرح حدیث، فقہ، تاریخ، لغت، تفسیر وغیرہ کے بنیادی اور ثانوی مراجع کے ایک بہت وسیع ذخیرہ سے مستفید ہوتے رہے ہیں۔درحقیقت یہ شرح ایک جامع انسائیکلوپیڈیا ہے جو سینکڑوں کتب کے حوالہ جات سے (مع جلد و صفحہ نمبر کے) بھری ہوئی ہے۔کبھی بندہ کو حیرت ہوتی ہے کہ حضرت شیخ دامت برکاتہم نے اتنے وسیع ذخیرہ سے استفادہ ایسے زمانہ میں کیا جب کمپیوٹر کا دور شروع نہیں ہوا تھا اور کتابیں بھی اتنی آسانی سے دستیاب نہیں ہوا کرتی تھی۔حضرت شیخ سے یہ بھی سنا کہ حدیث وجعلت قرة عيني في الصلاة کے ایک لفظ کی جستجو میں مسند عائشہ (مسند احمد میں) چار بار دیکھ ڈالی (اس حدیث کی تحقیق کیلئے دیکھئے الیواقیت الغالیۃ ۱:۴۰۷)۔ایک مرتبہ شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب سے ارشاد فرمایا کہ "حدیث کے باب میں میں نے کوئی کتاب چھوڑی نہیں ہے، چھوٹی بڑی جس میں بھی حدیث کا کوئی مضمون آیا میں نے اس کو دیکھ ڈالا"۔ ۲۰۱۰ عیسوی میں جب بندہ کو حضرت مولانا ایوب سورتی صاحب کی خدمت میں الیواقیت الغالیۃ کی تیسری جلد کی جمع و ترتیب کے سلسلہ میں حاضری نصیب ہوئی تو حضرت مولانا نے نظر ثانی کے دوران ارشاد فرمایا کہ یہ بعض کتابیں جن کا شیخ حوالہ دے رہے ہیں میں نے کبھی ان کا نام سنا نہیں ہے، نہ معلوم کہ شیخ کو یہ کتابیں ۱۹۷۰ء اور ۱۹۸۰ء میں کہاں سے مل گئی۔

مزید قابل توجہ بات یہ ہے کہ شیخ کا مطالعہ اور مراجع سے استفادہ متقدمین کی کتابوں اور عربی کتابوں تک محدود نہیں ہے۔ مثلا صفحہ ۷۹ پر لفظ ناموس کی تشریح کے ذیل میں شیخ نے علامہ حمید اللہ کی خطبات بہاولپور سے انکی تحقیق نقل کی ہے۔اسی طرح صرف اس جلد اول میں ماضی قریب کے مندرجہ ذیل مشایخ کے اقوال و تحقیقات نقل کئے ہیں: علامہ محمود پاشا فلکی (متوفی ۱۳۰۲ھ، ۱۸۸۵ء) (صفحہ ۹۲)، شیخ المشایخ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ (متوفی ۱۳۸۳ھ، ۱۹۶۴ء) (صفحہ ۵۲)، مولانا خلیل احمد سہارنپوری (متوفی ۱۳۴۶ھ، ۱۹۲۷ء) (صفحہ ۴۲۹)، مولانا علی میاں ندوی (متوفی ۱۴۲۰ھ، ۱۹۹۹ء) (صفحہ ۹۲ و ۹۶)، شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی (متوفی ۱۳۷۷ھ، ۱۹۵۷ء) (صفحہ ۵۷) اور علامہ شبیر احمد عثمانی (متوفی ۱۳۶۹ھ، ۱۹۴۹ء) (صفحہ ۱۷۴ و ۱۷۵)۔بلکہ حضرت شیخ اپنے معاصرین کے علوم و تحقیقات سے بھی فیض یاب ہوتے رہتے ہیں۔ چنانچہ

آنے والی جلدوں میں قارئین حضرات شیخ یوسف القرضاوی[1] اور شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب[2] کے حوالے بھی دیکھینگے۔ حضرت بہت ہی زیادہ انصاف پسند اور اعتدال و وسعت ظرفی کے حامل ہیں۔ ایک جگہ کتاب التوحید (صفحہ ۲۲۵) جو حضرت کی ۱۴۰۲ھ کی ضبط شدہ تقریر بخاری ہے اس میں درج ہے: "علامہ یوسف قرضاوی دور حاضر کے ایک مشہور عالم ہیں لیکن ہیں وہ اہل حدیث، اور اپنے آپ کو مجتہد سمجھتے ہیں، ویسے ہیں بڑے عالم، علم کا استحضار ہے"۔

اسی انصاف و وسعت ظرفی کی ایک اور مثال یہ ہے کہ حضرت دامت برکاتھم شیخ ناصر الدین الالبانی (متوفی ۱۴۲۰ھ، ۱۹۹۹ء) کی بہت سی تحقیقات اور جارحانہ انداز پر نقد تو فرماتے ہیں لیکن ساتھ ہی ساتھ آپ ان کے علوم کا اعتراف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ محقق عالم ہیں اور آپ کی مطبوعات سے مستفید بھی ہوتے رہتے ہیں (مثلا دیکھئے الیواقیت الغالیۃ ۳: ۳۲۱)۔ ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں: "ونقل بعض المحققين وهو العلامة ناصر الدين الألباني" (الیواقیت الغالیۃ ۱: ۳۷۲)۔ ایک جگہ ان سے اختلاف رائے کے باوجود انہیں محدث کہنے سے گریز نہیں کیا (دیکھئے الیواقیت الغالیۃ ۱: ۳۶۳)۔ ایک جگہ انکی سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ کا حوالہ بھی دیا اور انکی رائے سے اختلاف بھی کیا ہے (دیکھئے الیواقیت الغالیۃ ۴: ۳۲۲)۔ دار العلوم لندن میں شعبان ۱۴۳۶ھ میں حضرت نے ارشاد فرمایا کہ شیخ البانی فن میں ایک تحقیقی مقام رکھتے ہیں لیکن متاخرین میں سے ہیں۔ بعض چیزیں متقدم کو ظاہر ہوتی ہے، متاخران سے غافل ہوتا ہے۔ نیز فرمایا کہ وہ ایک اہل تحقیق عالم ہیں لیکن تنہا انکی بات غیر معتبر ہے جب وہ سب کے خلاف ایک بات بولتے ہیں۔ پھر شیخ البانی کے صحیح وضعیف کی تقسیم پر بھی نقد فرمایا۔ شعبان ۱۴۳۷ھ میں جامعۃ العلم والہدی بلیکبرن میں ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ شیخ البانی کثیر الاستحضار ہیں، حنفی مذہب انہوں نے چھوڑ دیا تھا لیکن محض اس کی وجہ سے ان پر نقد نہیں کرنا چاہئے، احناف ان سے بہت متنفر ہیں، ایسا بھی نہیں ہونا چاہئے، ان سے غلطیاں ضرور ہوئی ہے اور کس سے غلطی نہیں ہوتی۔

حضرت کے شاگرد وخادم مولانا محمد سیٹھ نے بتایا کہ ایک روز حضرت نے ان سے پوچھا کہ فتح الباری کے اس نسخہ میں ترقیم کس کی ہے؟ تو مولانا نے جواب دیا کہ اس میں بن باز کی ترقیم ہے۔ حضرت نے فورا بغرض اصلاح کہا: "شیخ بن باز"۔ غرض یہ کہ حضرت اپنے معاصرین سے مستفید

---

[1] کتاب الزکاۃ کی ابتداء میں حضرت نے شیخ یوسف القرضاوی کی معروف کتاب فقہ الزکاۃ کا حوالہ دے کر انکی تحقیق کی موافقت کی ہے، حضرت تحریر فرماتے ہیں: ذكرها المصنف وأكثر المحدثين والفقهاء بعد الصلاة، لأنها فرضت بعد الصلاة قبل فرض رمضان، وقرنوها بالصلاة لأنها قرنت بها في القرآن في ثمانية وعشرين موضعا، وكذا في كثير من الأحاديث. وأما قول صاحب المناقب البزازية ومن تبعه كأصحاب البحر (٢٠١/٢) والنهر والدر المختار والمنح وإتحاف السادة المتقين (٣/٤): وقرنت بها في اثنين وثمانين موضعا في التنزيل، فوهم، تعقبه العلامة الحلبي في حاشية الدر المختار كما نقله ابن عابدين (٢٥٦/٢) فقال: صوابه في اثنين وثلاثين كما عده شيخنا السيد رحمه الله تعالى. انتهى. قلت: فكأنه وقع هذا الوهم من التحريف، كتب ثمانين مكان ثلاثين بالمثلثة بعد الألف، ولكن ذكر معاصرنا العلامة يوسف القرضاوي في كتابه فقه الزكاة أنها قرنت بالصلاة في ثمانية وعشرين موضعا، في سبع وعشرين في آية واحدة، وفي الموضع الثامن والعشرين ذكرت الصلاة في آية والزكاة معها في أخرى. وقد عددتُ أنا كذلك أيضا، والله أعلم.

[2] کتاب الفتن میں حدیث لن يفلح قوم ولوا أمرهم امرأة کے ذیل میں حضرت تحریر فرماتے ہیں: وأطال محمد تقي العثماني في ذكر النقول والدلائل في مقال له نشره في البعث الإسلامي من ص ٣٣ إلى ص ٤٦ مجلد ٣٤ في شوال ١٤١٩هـ، والحاصل المختصر أن المرأة لا تلي الإمامة الكبرى مطلقا، وحكى الإجماع عليه ابن حزم في مراتب الإجماع (ص ١٢٦) وإمام الحرمين في الإرشاد (ص ٣٥٩ و ٤٤٧) والبغوي في شرح السنة (٧٧/١٠) وابن العربي في أحكام القرآن في تفسير النمل. وقال شيخنا: والاختلاف إنما هو في مسألة القضاء. وبسط الكلام.

ہوتے رہے ہیں اور جہاں نقد کی ضرورت محسوس فرماتے ہیں تو منصفانہ انداز میں بلا تعصب نقد مدلل فرماتے ہیں اور جن کی تحقیقات پر ناقدانہ تجزیہ فرماتے ہیں انکے علوم اور مقام کا اعتراف کرنے سے گریز نہیں کرتے اور انکا احترام ملحوظ رکھتے ہیں۔ یہی ہمارے اکابر اور اسلاف کا طرز کار رہا ہے۔ ایک مرتبہ حضرت شیخ سے سنا کہ "ہمارے بڑے سب کا ادب کرتے تھے"۔ اللہ تعالی ہم سب کو اعتدال نصیب فرمائے۔ اسی انصاف اور وسعت ظرفی کی ایک مثال اس شرح میں یہ ہے کہ حضرت کم از کم دو جگہوں پر (صفحہ ۶۵ و ۱۹۱) شیخ محی الدین بن عربی (متوفی ۶۳۸ھ، ۱۲۴۰ء) کی فتوحات سے نقل فرماتے ہیں حالانکہ آپ ان پر شدید نکیر فرماتے ہیں کما سیأتی۔

(۳) اصل مراجع کی طرف رجوع اور اغلاط کی نشاندہی

حضرت شیخ دامت برکاتہم ثانوی ذرائع پر اعتماد نہیں کرتے، بلکہ ہمیشہ اصل مراجع کی طرف رجوع فرماتے ہیں۔ مثلاً اگر حافظ ابن حجر یا امام نووی (متوفی ۶۷۶ھ، ۱۲۷۷ء) قاضی عیاض (متوفی ۵۴۴ھ، ۱۱۴۹ء) کی کوئی بات نقل کر رہے ہو تو اصل مرجع ضرور تلاش کرتے ہیں، چاہے وہ مشارق الانوار ہو، یا الشفاء ہو، یا قاضی کی شرح مسلم اکمال المعلم ہو۔ اسی طرح اگر کسی حدیث کی نسبت کسی کتاب کی طرف کی گئی ہو تو اس حدیث کو تلاش کرنے میں اپنی پوری محنت صرف کر دیتے ہیں۔ اسی کی برکت سے کبھی کسی حدیث کی غلط نسبت کا پتہ چلتا ہے تو اس پر تنبیہ فرماتے ہیں۔ چنانچہ صفحہ ۶۳ پر صاحب مشکوۃ المصابیح کی ایک غلطی کی طرف متنبہ کیا ہے جس میں مؤلف سے ایک حدیث کو صحیح بخاری کی طرف منسوب کرنے میں چوک واقع ہوئی ہے۔ اسی طرح صفحہ ۶۷ پر حافظ ابن حجر کی ایک غلطی پر متنبہ کیا ہے کہ آپ نے شارح مشکوۃ المصابیح علامہ طیبی (متوفی ۷۴۳ھ، ۱۳۴۲ء) کی طرف ناقص نسبت کی ہے اور دلیل میں علامہ طیبی کا مکمل کلام اصل کتاب سے نقل فرما دیا ہے۔ اسی طرح صفحہ ۱۵۳ پر حضرت رقم طراز ہیں کہ حافظ ابن حجر نے علامہ ابن حزم الظاہری (متوفی ۴۵۶ھ، ۱۰۶۴ء) کی طرف ایک غلط بات منسوب کی ہے اور دلیل میں علامہ ابن حزم کی عبارت المحلی سے نقل کر کے پیش کر دی ہے۔

اسی طرح صفحہ ۴۷۰ پر حضرت ارشاد فرماتے ہیں کہ حافظ بدر الدین عینی (متوفی ۸۵۵ھ، ۱۴۵۱ء) نے فضلات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طاہر ہونے کی نسبت حضرت امام اعظم امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۵۰ھ، ۷۶۷ء) کی طرف کی ہے لیکن امام محمد بن الحسن الشیبانی (متوفی ۱۸۹ھ، ۸۰۵ء) کی مطبوعہ کتب اور اسی طرح متقدمین احناف کی کتابوں میں اور متون میں اس مسئلہ کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا[3]۔ اسی طرح صفحہ ۸۵ پر ایک لغوی بحث کے ذیل میں علامہ انور شاہ کشمیری (متوفی ۱۳۵۲ھ، ۱۹۳۳ء) کی ایک تحقیق سے اختلاف رائے کرتے ہوئے تحریر فرمایا کہ اس غلطی کی بنیاد یہ ہے کہ زیادہ کتابیں ان کے زمانہ میں دستیاب نہیں تھی۔ اسکے علاوہ اس قسم کی اور بھی مثالیں اس شرح میں موجود ہے (مثلاً دیکھئے صفحہ ۲۲۹) جن سے اس شرح کی افادیت اور استیناد کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ یہاں یہ ذہن نشین کر لینا ضروری ہے کہ انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کے علاوہ کوئی بھی معصوم نہیں۔ ہر ایک سے غلطی صادر ہوتی ہے۔ حضرت شیخ سے بارہا سنا کہ بچوں! مجھ سے بھی غلطی ہوتی ہے۔ نیز ارشاد فرماتے

---

[3] علامہ بیری زادہ رحمہ اللہ تعالی (متوفی ۱۰۹۹ھ) عمدۃ ذوی البصائر لحل مهمات الاشباہ والنظائر (۱: ۴۴۰) میں تحریر فرماتے ہیں: قال العلامة العيني في شرحه للبخاري: أبوحنيفة قال بطهارة بوله وسائر فضلاته صلى الله عليه وسلم، ولم أر أحدا من فقهائنا من ذكره، انتهى.

ہوئے سنا کہ حافظ ابن حجر سے میں اختلاف ضرور کرتا ہوں لیکن میں ان کا ادب کرتا ہوں۔ میں نے ان سے بہت فائدہ اٹھایا ہے۔ بارہا یہ کہتے ہوئے بھی سنا کہ حافظ ابن حجر تو ہمارے چچا ہیں، ہمارے محسن ہیں، حافظ ابن حجر تو بہت بڑے آدمی ہیں۔ الغرض کسی سے اختلاف رائے یا کسی کے اوہام پر متنبہ کرنا انکی شان میں گستاخی یا تنقیص نہیں بلکہ اداءامانت اور حب اللہ وحب الرسول علیہ الصلاۃ والسلام کا عین تقاضہ ہے۔

چنانچہ اس شرح میں حضرت شیخ اپنے استاذ ومرشد شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی مہاجر مدنی کا کلام اور آپ کی تحقیقات بارہا نقل فرماتے ہیں اور بسا اوقات ان سے اختلاف بھی فرماتے ہیں (مثلا دیکھئے صفحہ ۲۰، امام بخاری نے اپنی کتاب کا آغاز حمد باری تعالی سے کیوں نہیں کیا)۔ درحقیقت جس کسی نے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف لامع الدراری یا الکوکب الدری کے حاشیہ کا مطالعہ کیا ہو وہ اس بات کو جانتا ہے کہ کبھی آپ بھی فقیہ النفس محدث کبیر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے اختلاف رائے کرتے ہیں۔ الغرض، اپنے اساتذہ اور ماضی کے علماء کرام سے اختلاف رائے کرنا یہ کوئی منفی بات نہیں ہے جیسا کہ بعض حضرات کا غلط زعم ہے بلکہ یہ ان ہی مشایخ واساتذہ کا فیض ہوتا ہے، شرط صرف یہ ہے کہ ادب کا لحاظ رکھا جائے اور اختلاف رائے دلیل وتحقیق پر مبنی ہو۔ چنانچہ حضرت شیخ مولانا محمد زکریا کاندھلوی کے فیض وتوجہ کا اندازہ ایک خواب سے لگایا جاسکتا ہے جو حضرت شیخ مولانا یونس صاحب نے حضرت کے انتقال کے ایک سال بعد دیکھا تھا، حضرت نے اسے اپنے ہاتھ سے قلمبند کیا تھا جو یہاں نقل کیا جاتا ہے:

"آج دوپہر بروز دوشنبہ ۱۲ ذی قعدہ ۱۴۰۳ھ کو ایک عجیب خواب دیکھا، ایک خط مولوی عبدالحفیظ مکی نے بھیجا جس میں یہ لکھا ہے کہ آپ کو حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ کے علوم دئے اور یہ گویا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہے، اور اس خط میں یہ بھی ہے کہ مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں کہہ دوں کہ مجھے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا علم عطا کیا گیا۔ اے اللہ میرے حضرت کے لوگوں کو اس سے بہرہ مند فرما اور دوسروں کو، اسکے بعد آنکھ کھل گئی، بندہ محمد یونس عفی عنہ"۔

مزید یہ کہ جب حضرت مولانا یونس صاحب نے اپنے شیخ ومرشد کے کچھ حالات عربی میں تحریر فرمائے تو کچھ اس طرح کے الفاظ سے شروع فرمایا: هو الشيخ الإمام العالم العلامة الفاضل الفهامة شيخ العبّاد علم الزهاد رأس المتكلمين إمام المتورعين يتيمة الدهر نادرة العصر شيخ المحدثين إمام الحفاظ المتقنين، شيخنا وقدوتنا الذي قلّ ما يسمح الزمان بمثله، الثقة الثبت الحافظ الحجة الناقد مولانا محمد زكريا، ابن العلامة الذكي البارع المشار إليه بالبنان مولانا الحافظ المولوي محمد يحيى، ابن العارف الجليل مولانا محمد إسماعيل بن غلام حسين بن حكيم كريم بخش، تنتهي سلسلة نسبه إلى شيخ الأصحاب أبي بكر الصديق رضي الله عنه (الیواقیت الغالیۃ ۲: ۲۵)، اس سے استاد وشاگرد کے مابین جو تعلق ورشتہ تھا اس کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

اسی طرح حضرت شیخ مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ جب جزء حجۃ الوداع کی تصنیف سے فارغ ہوئے تو اسکے آخر میں تحریر فرمایا (صفحہ ۳۲۵): وأمعن النظر على هذه الرسالة عزيزي المولوي محمد يونس الجونبوري سلمه الله مدرس الحديث في المدرسة فزاد في بعض المواضع، اور جب جزء

عمرات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تصنیف سے فارغ ہوئے تو اسکے آخر میں الحاج سلیمان افریقی کے ایک خواب کا تذکرہ فرمایا جسکو حضرت شیخ مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ ہی کے الفاظ میں یہاں نقل کیا جاتا ہے (صفحہ ۴۶۲):

وهذا نص هذه الرؤيا كما يحكيه الحاج سليمان: رأيت في المنام أن نفسي حدثتني بزيارة الرسول صلى الله عليه وسلم فتوجهت إلى المدينة المنورة راجلا، وبعد أن مشيت قليلا تراءى لي الحرم النبوي من بعيد، وبينما أمشي إلى الحرم إذ رأيت نفسي واقفا أمام حجرتكم يعني حجرة هذا العبد الضعيف، رأيت رهطا من الناس واقفين أمام الحجرة، وإذا بالشيخ محمد يونس أستاذ الحديث بمدرسة مظاهر العلوم يخرج من الحجرة، وقال لي قائل: إن سيد الرسل صلى الله عليه وسلم في الداخل، وأومأ إلي بالدخول، فدخلت، ولم أتمالك فرحا وسرورا، وسرى في جسمي تيار كهربائي، ورأيت رسول الله صلى الله عليه وعلى آله وصحبه وسلم متوسدا على سريركم في مقدم السرير، متعمما بعمامة بيضاء ولحيته بيضاء، وقد استعمل نظارة، وسلمت عليه صلى الله عليه وسلم ومددت يدي للمصافحة فمد صلى الله عليه وسلم يده الشريفة إلي، ورد علي تحيتي، ثم أقبل عليكم وكنتم جالسين على الأرض عن يمين رسول الله صلى الله عليه وسلم تتلون رسالة جزء حجة الوداع وانصرف صلى الله عليه وسلم إلى سماعها، وجلست تحت السرير إلى جهة قدميه صلى الله عليه وسلم. يقول الشيخ محمد زكريا: وكفى لهذا العبد الضعيف شرفا وابتهاجا في هذه الرؤيا من إقباله صلى الله عليه وآله وصحبه وسلم على هذا العبد المبتلى بالسيئات سماعا وانصراف هذا العبد إلى تلاوتها، فللّه الحمد والمنة.

اسکے بعد حضرت شیخ مولانا یونس صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب دونوں جزء پر نظر ثانی سے فارغ ہوئے تو اپنے نرالے انداز میں مندرجہ ذیل کلمات تحریر فرمائے جو سونے کے قلم سے لکھنے کے قابل ہے (صفحہ ۴۶۳):

قد أجلت الطرف في رياض هذين السفرين المباركين لشيخنا وشيخ مشايخنا البحر العلامة مولانا محمد زكريا شيخ الحديث أبقاه الله تعالى في رغد عيش، ووفقه لمرضياته ومتعنا بأنفاسه الشريفة، واقتطفت من أثمارها، وتعطر المشام من أزهارها، وتنور النظر بأنوارها، وقرت العين ببهجتها، وقد حوى السفران المباركان جل ما يحتاج إليه الباحث عن هذين النسكين المباركين من المسائل وأقاويل العلماء من غير اختصار مخل ولا تطويل ممل، مع حسن انسجام وأسلوب واضح يقف الناظر عليه، والحمد لله أولا وآخرا، وصلى الله على سيدنا محمد وآله وصحبه وبارك وسلم تسليما مباركا، وأنا العبد الذليل المقر بسيئاته المفتقر إلى رحمة ربه وغفرانه محمد يونس عفا الله عنه، ١٦ رجب ١٣٩٠هـ.

(۴) صوفیہ کرام کے علوم و معارف سے استفادہ اور انکا تحقیقی جائزہ

حضرت شیخ دامت برکاتہم ولایت واحسان اور معرفت وسلوک میں اعلی مقام پر فائز ہیں۔ چنانچہ اسی کا نتیجہ ہے کہ اس شرح میں حضرت دامت برکاتہم مشائخ صوفیہ کے اقوال بھی نقل فرماتے ہیں جیسا کہ صفحہ ۹۸ پر شیخ عبد القادر جیلانی (متوفی ۵۶۱ھ، ۱۱۶۶ء) اور صفحہ ۶۴ و ۱۹۱ پر دیگر مشائخ صوفیہ کے اقوال نقل کئے ہیں۔ تاہم آپ غلط صوفی نظریات اور باطل تاویلات پر تنقید کرنے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے اور احادیث مبارکہ کی غلط تشریحات پر متنبہ کرتے ہیں (مثلا دیکھئے صفحہ ۷۷ و ۲۴۷)۔ ایک مرتبہ بندہ نے حضرت سے خود سنا کہ صحیح مسلم کی روایت لا تقوم الساعة حتى لا يقال في الأرض الله الله سے صرف لفظ اللہ کا ورد ثابت نہیں ہوتا، اسلئے کہ حدیث کی مراد کلمۂ توحید ہے جیسا کہ دیگر طرق میں مصرحا مروی ہے (یہاں مقصود صرف حدیث کی تشریح ہے نہ کہ لفظ اللہ کے ورد پر نقد، اسلئے کہ حضرت شیخ کے یہاں ذکر کی مجلس میں مریدین اسکا بھی

ورد فرماتے رہے ہیں، تاہم حضرت شیخ کی رائے یہ ہے کہ احادیث نبویہ وسیرت طیبہ سے صرف لفظ اللہ کا ورد ثابت نہیں ہے بلکہ یہ حضرات صوفیہ کرام کا مجرب ورد ہے، الغرض اس کے ورد کو سنت نہ سمجھا جائے اور اس ذکر کو حضور علیہ السلام کی طرف منسوب نہ کیا جائے، والانصاف عزیز)۔

حضرت شیخ نے ایک مرتبہ شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ سے کہا کہ ''میں صوفیہ کا کلام زیادہ نہیں لیتا، ہاں محققین صوفیہ جیسے شیخ عبد القادر جیلانی اور مجدد الف ثانی کا استثناء ہے اس لئے کہ یہ حضرات تو صاحب سنت وطریقت ہیں''۔ پھر ناظم صاحب حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب کا کلام نقل فرمایا کہ ''ہمارا تصوف تو فقیہانہ ہے''۔ ایک بار ارشاد فرمایا کہ تصوف نام ہے تصحیح نیت کیساتھ اتباع سنت کا۔ ایک بار ارشاد فرمایا: الإمام عبد القادر الجيلاني إمام الأولياء في عصره۔ نیز ارشاد فرمایا: دین کو سب سے زیادہ ضرر صوفیہ سے پہنچا ہے لیکن نفع بھی سب سے زیادہ ان ہی سے پہونچا ہے[4]۔ کتاب التوحید میں صفحہ ۵۵ پر حضرت ارشاد فرماتے ہیں: ''غنیۃ الطالبین شیخ موصوف کی تالیف ہے، بعض متاخرین نے ان کی تالیف ہونے کا انکار فرمایا ہے لیکن یہ انکار بے حقیقت اور غلط ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور شیخ الاسلام ابن القیم، حافظ ابن کثیر اور حافظ ذہبی اور حافظ ابن حجر نے غنیۃ الطالبین کو شیخ موصوف کی تالیف میں شمار فرمایا ہے جیسا کہ میں کتاب الایمان میں اسپر تنبیہ کر آیا ہوں۔ یہاں دوبارہ تکرار اس لئے کیا کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ غنیۃ غیر معتبر کتاب ہے۔ ہاں اس میں بعض جگہ احناف پر رد بھی موجود ہے لیکن اس سے احناف کا مخصوص طبقہ مراد ہے، سارے احناف مراد نہیں، اور بالفرض سارے ہی احناف مراد ہو تو ہم شیخ موصوف کو ولی کامل اور قطب عالم مانتے ہیں لیکن معصوم نہیں مانتے، عصمت تو خصیصۂ انبیاء علیہم السلام ہے۔'' (مزید تفصیل کیلئے دیکھئے الیواقیت الغالیہ ۱: ۱۷۲)۔

یہاں ایک اور بات کی طرف توجہ دلانا ضروری ہے۔ اس جلد میں حضرت شیخ نے کم از کم دو جگہوں پر (صفحہ ۶۵ و ۱۹۱) شیخ محی الدین بن عربی کا کلام بعض المتصوفة في فتوحاته تحریر فرما کر بغیر نام لئے نقل فرمایا ہے، جب کہ الیواقیت الغالیۃ میں حضرت نے شیخ ابن عربی کا نام لیکر اور انہیں شیخ اکبر کا لقب دیکر انکا کلام ان کی کتابوں سے براہ راست نقل کیا ہے (دیکھئے ۲: ۱۳۰ و ۴۰۹ و ۱: ۱۹۱ و ۴۱۵ و ۴۳۵) جسکی وجہ یہی ہے کہ یہ ابتدائی زمانہ کی تحریر ہے۔ اب حضرت شیخ دامت برکاتہم پچھلے دس پندرہ سال سے شیخ محی الدین بن عربی پر سخت نکیر فرماتے رہے ہیں جس پر ہمارے بعض احباب کو اشکال بھی رہتا ہے۔ تفصیل کیلئے یہ محل نہیں لیکن کچھ عرض کر دینا ضروری ہے۔ حضرت شیخ کا یہ موقف تحقیق ودلائل پر مبنی ہے اور ماہر متبحر عالم دین کیلئے ضروری ہے کہ وہ اپنا موقف اپنی تحقیق کے مطابق قائم کرے۔ مزید یہ کہ اس موقف میں حضرت منفرد نہیں ہیں بلکہ شیخ محی الدین بن عربی ہی کے زمانہ سے انکے متعلق بنیادی طور پر دو رائے قائم ہو چکی تھی اور آج تک دونوں رائے قائم ہے۔ چنانچہ ان پر سخت نکیر کرنے والوں

---

4 حکیم الامت مجدد ملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی ارشاد فرماتے ہیں: ''صوفیہ کرام سے امت کو اتنا نفع پہونچا ہے کہ اور کسی سے اتنا نفع نہیں پہنچا، مگر گمراہ اور اہل باطل مدعیان تصوف سے امت کو ضرر بھی اتنا پہونچا کہ کسی کافر سے بھی اتنا ضرر نہیں پہونچا'' (مجالس حکیم الامت صفحہ ۲۹۲)۔ اسی طرح فقیہ الامت حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ ارشاد فرماتے ہیں: ''ابتدا سے اور اب تک جس قدر ضرر دین کو صوفیہ سے پہنچا ہے اتنا کسی اور فرقہ سے نہیں پہنچا، ان سے روایت کے ذریعہ بھی دین کو ضرر ہوا، اور عقائد کے لحاظ سے بھی، اور اعمال کے لحاظ سے بھی''۔ نیز ارشاد فرمایا: ''محققین صوفیہ نے ان خرابیوں کی اصلاحیں بھی کیں مگر اس کا نتیجہ صرف اتنا ہوا کہ ان بدعات میں کچھ کمی ہو گئی لیکن بالکل ازالہ نہ ہوا''۔ نیز ارشاد فرمایا: شارع علیہ السلام نے احسان کو مطلوب قرار دیا تھا مگر صوفیہ نے بجائے اس کے استغراق کو مقصود بنالیا'' (ارواح ثلاثہ صفحہ ۲۲۱)۔

میں بڑے اساطین علم محدثین وفقہاء وصلحاء بھی ہیں جیسے حافظ ابن حجر عسقلانی (متوفی ۸۵۲ھ، ۱۴۴۹ء)، حافظ زین الدین عراقی (متوفی ۸۰۶ھ، ۱۴۰۴ء)، حافظ بدر الدین عینی (متوفی ۸۵۵ھ، ۱۴۵۱ء)، حافظ ابن الصلاح (متوفی ۶۴۳ھ، ۱۲۴۵ء)، علامہ ابن دقیق العید (متوفی ۷۰۲ھ، ۱۳۰۲ء)، حافظ ابن تیمیہ (متوفی ۷۲۸ھ، ۱۳۲۸ء)، حافظ ابن القیم (متوفی ۷۵۱ھ، ۱۳۵۰ء)، حافظ ابن کثیر (متوفی ۷۷۴ھ، ۱۳۷۳ء)، حافظ جمال الدین مزی (متوفی ۷۴۲ھ، ۱۳۴۱ء)، حافظ شمس الدین ذہبی (متوفی ۷۴۸ھ، ۱۳۴۸ء)، حافظ ولی الدین عراقی (متوفی ۸۲۶ھ، ۱۴۲۲ء)، حافظ شمس الدین سخاوی (متوفی ۹۰۲ھ، ۱۴۹۷ء)، علامہ تقی الدین سبکی (متوفی ۷۵۶ھ، ۱۳۵۵ء)، علامہ ابراہیم حلبی (متوفی ۹۵۶ھ، ۱۵۴۹ء)، ملا علی قاری (متوفی ۱۰۱۴ھ، ۱۶۰۵ء)، وغیرہ۔ یہاں یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا موقف صرف ان اکابر کی تقلید میں اختیار نہیں فرمایا، بلکہ شیخ محی الدین بن عربی کی تصانیف اور انکے کلام کو پڑھنے کے بعد اختیار فرمایا، جس پر دلیل یہ ہے کہ ابتدائی زمانہ کی تالیفات ودروس میں آپ انہیں شیخ اکبر اور دوسرے عالی القاب سے متصف فرماتے رہے اور انکی تصانیف سے براہ راست نقل بھی فرماتے رہے۔ اسکے بعد حضرت رحمۃ اللہ علیہ غور وخوض اور تحقیق وتدقیق کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ شیخ محی الدین بن عربی کے بعض صریح کلام میں نہ تو تاویل کی گنجائش ہے اور نہ ہی سیاق وسباق اور تعبیر کے مد نظر تدسیس اور مدرج ہونے کا احتمال ہے، لہذا یہ بعینہ ابن عربی ہی کا کلام ہے۔ الغرض حضرت کا یہ موقف اپنی تحقیق پر مبنی ہے جو ساتھ ساتھ اکابر کی ایک بڑی جماعت کی تحقیق کے موافق ہے۔

یہ الگ بات ہے کہ اس کے مقابل ایک بڑی جماعت آپ کی ولایت کی قائل ہیں اور ان میں بھی بڑے اساطین علم ہیں جیسے علامہ صفدی (متوفی ۷۶۴ھ، ۱۳۶۳ء)، علامہ ابن کمال پاشا (متوفی ۹۴۰ھ، ۱۵۳۴ء)، علامہ ابن العماد حنبلی (متوفی ۱۰۸۹ھ، ۱۶۷۹ء)، علامہ ابن عابدین (متوفی ۱۲۵۲ھ، ۱۸۳۶ء)، علامہ آلوسی (۱۲۷۰ھ، ۱۸۵۴ء)، علامہ سیوطی (متوفی ۹۱۱ھ، ۱۵۰۵ء)، علامہ ابن حجر مکی (متوفی ۹۷۴ھ، ۱۵۶۷ء)، مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی (متوفی ۱۰۷۹ھ، ۱۶۶۸ء)، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (متوفی ۱۱۷۶ھ، ۱۷۶۲ء)۔ ہمارے اکابر علماء دیوبند کا بھی یہی موقف ہے جن میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی (متوفی ۱۳۲۳ھ، ۱۹۰۵ء)، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی (متوفی ۱۳۶۲ھ، ۱۹۴۳ء)، علامہ انور شاہ کشمیری (متوفی ۱۳۵۲ھ، ۱۹۳۳ء)، شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی (متوفی ۱۳۷۷ھ، ۱۹۵۷ء)، علامہ شبیر احمد عثمانی (متوفی ۱۳۶۹ھ، ۱۹۴۹ء) وغیرہ سب شامل ہیں۔ البتہ مولانا حبیب الرحمن اعظمی (متوفی ۱۴۱۲ھ، ۱۹۹۲ء) نے علامہ یافعی (متوفی ۷۶۸ھ، ۱۳۶۷ء) کی اتباع میں توقف وسکوت کا قول اختیار کیا ہے۔ (وللتفصيل والمراجع لأقوال المشايخ، راجع أقوال الجهابذة في شيخ الإسلام ابن تيمية)

یہاں یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ ہمارے بعض اکابر نے بھی شیخ ابن عربی پر سخت تعقب کیا ہے۔ چنانچہ مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی (متوفی ۱۰۷۹ھ، ۱۶۶۸ء) اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں جس کا ترجمہ حضرت مولانا علی میاں ندوی نے تاریخ دعوت وعزیمت (۴: ۲۵۱) میں نقل کیا ہے، حضرت فرماتے ہیں: "مخدوما! فقیر کو ایسی باتوں کے سننے کی تاب نہیں، بے اختیار میری رگ فاروقی حرکت میں آجاتی ہے، اور تاویل وتوجیہ کا موقع نہیں دیتی، ایسی باتوں کے قائل شیخ کبیر یمنی ہوں یا شیخ اکبر شامی، ہمیں کلام محمد عربی علیہ وعلی آلہ والصلاۃ والسلام درکار ہے، نہ کہ کلام

محی الدین بن عربی، صدر الدین قونوی اور شیخ عبدالرزاق کاشی، ہم کو نص سے کام ہے نہ کہ فص سے، فتوحات مدنیہ نے فتوحات مکیہ سے مستغنی بنا دیا ہے"۔

بہر حال حضرت شیخ کے ذکر کردہ موقف کے باوجود آپ نے اس شرح بخاری میں شیخ ابن عربی کے افادات نقل کرنے سے گریز نہیں کیا، اور یہ آپ کے انصاف واعتدال اور وسعت ظرفی کی صریح وبین دلیل ہے۔

(۵) ماضی قریب کی مطبوعہ کتب سے استفادہ

اس شرح کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ ان کتابوں سے بھی مواد لیا گیا ہے جو ابھی ماضی قریب میں طبع ہوئی ہے۔ مثلاً کتاب العلم کی شرح میں (صفحہ ۳۴۴و۳۴۹و۳۷۲) امام ابن السنی کے افادات ریاضۃ المتعلمین سے نقل کئے گئے ہے، یہ کتاب ۱۴۳۶ھ، ۲۰۱۵ء میں پہلی بار مکتبۃ الشیخ نظام یعقوبی بحرین سے طبع ہوئی تھی۔

(۶) صحیح بخاری کے مطبوعہ ومخطوطہ نسخوں سے استفادہ

حضرت شیخ دامت برکاتہم کا صحیح بخاری کے ساتھ والہانہ تعلق ومحبت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ کے پاس صحیح بخاری کے متعدد مطبوع اور مخطوط نسخے ہیں جو صرف المساری کی زینت نہیں بلکہ آپ صحیح بخاری کے پیچیدہ مسائل، حل عبارت اور اختلاف نسخ کی تہہ تک پہنچنے کیلئے ان نسخوں سے مستفید ہوتے رہتے ہیں۔ مثلاً صفحہ ۵۰ پر صحیح بخاری کی پہلی حدیث کے متعلق تفصیلی بحث ہے کہ متن حدیث میں اختصار کیوں ہے جب کہ یہی حدیث صحیح بخاری میں چھ اور جگہ مع متن کامل کے مروی ہے۔ شرح میں اسکی متعدد توجیہات بیان کی گئی ہے۔ حضرت شیخ تحریر فرماتے ہیں کہ شیخ اسماعیل بقاعی (متوفی ۸۰۶ھ، ۱۴۰۳ء، انکے حالات کیلئے دیکھئے الانباء ۲: ۲۷۳ اور الضوء اللامع ۲: ۳۰۳) کے ذاتی قلمی نسخہ میں یہ حدیث بدون اختصار کے پورے متن کے ساتھ موجود ہے۔ اس کی تائید میں شیخ نے اور وجوہات بھی ذکر کی ہے۔ ویسے یہ بات بندہ نے کسی اور شرح میں دیکھی نہیں۔ شراح کی تمام توجیہات اسی پر مرکوز ہے کہ حدیث کے متن میں اختصار کیوں واقع ہے۔

اسی طرح حضرت شیخ نے صفحہ ۳۴۱ پر سلطانیہ نسخہ کا بھی حوالہ دیا ہے۔

(۷) تحریر وتعبیر کا اسلوب وطرز

حضرت شیخ کی تحریر کا انداز بہت جامع ہے۔ ایجاز کے ساتھ حسن اسلوب وترتیب سے یہ شرح مزین ہے جس سے صحیح بخاری کے غوامض کا ادراک طلبہ واساتذہ سب کیلئے آسان ہو جاتا ہے۔ یہ طرز آپ کے مقدمۂ مسلم کے عربی حواشی میں بھی نمایاں ہے جو الیواقیت الغالیۃ کی تیسری جلد میں مطبوع ہے۔ اس شرح بخاری کے مطالعہ کے دوران ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حافظ ابن حجر یا حافظ ابن کثیر کے زمانہ کی یہ تصنیف ہے۔ یہ شرح اپنے

اسلوب وانداز میں متقدمین کے طرز پر ہے اور اکثر و بیشتر مواد بھی متقدمین ہی کی کتابوں سے لیا گیا ہے۔تاہم ماضی قریب کے مشائخ اور اسی طرح معاصرین کے افادات بھی اس شرح میں موجود ہے جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا اور بعض مواقع ایسے بھی موجود ہے جہاں حضرت نے برو کلمان جیسے مستشرقین پر تعقب کیا ہے (مثلاً دیکھئے صفحہ ۴۴)۔

(۸)علوم حدیث سے وابستہ انمول جواہرات

حضرت شیخ کو مختلف فنون میں مہارت و تبحر حاصل ہے۔ لیکن اللہ تبارک و تعالی نے آپ کو علم حدیث کے ساتھ ایک خصوصی شغف عطا فرمایا ہے۔چنانچہ حضرت کا مقولہ اوپر نقل کیا جا چکا ہے کہ ”حدیث کے باب میں میں نے کوئی کتاب چھوڑی نہیں ہے، چھوٹی بڑی جس میں بھی حدیث کا کوئی مضمون آیا میں نے اس کو دیکھ ڈالا“۔اسی کا نتیجہ ہے کہ یہ شرح علوم الحدیث یعنی علل الحدیث، رجال و تراجم، اصول الحدیث، روایت و درایت، غریب الحدیث کے انمول جواہرات پر مشتمل ہے۔ مثلاً صفحہ ۲۹۸ پر ایک حدیث کے عدم ثبوت کے سلسلہ میں آپ علامہ ابن الجوزی (متوفی ۵۹۷ھ، ۱۲۰۱ء) کی موافقت کرتے ہوئے علامہ جلال الدین سیوطی (متوفی ۹۱۱ھ، ۱۵۰۵ء) کی رائے سے اختلاف کرتے ہیں۔اسی طرح صفحہ ۳۴ پر آپ تحریر فرماتے ہیں کہ تہذیب التحذیب کے مطبوعہ نسخہ میں کاتب یا ناشر کی طرف سے سقط واقع ہوا ہے۔اسی طرح صفحہ ۳۶۵ پر ایک روایت کی تخریج کے ضمن میں بیالیس رواۃ کے اسماء مع حوالہ کے نہایت جامع انداز میں درج کر دئے ہے۔

(۹)اختلاف مذاہب ودلائل فقہیہ کا محققانہ وناقدانہ تجزیہ

جہاں تک فقہ کا تعلق ہے تو حضرت شیخ عامۃ فقہ حنفی کے متبع رہے ہیں۔البتہ بعض مسائل میں دوسرے مذاہب یا حضرت امام بخاری کے مسلک کو دلائل کی روشنی میں ترجیح دیتے ہیں۔ حضرت شیخ سے بارہا سنا کہ ان مسائل میں میرے لئے ضروری ہے کہ میں اپنی تحقیق کا اتباع کروں ورنہ عند اللہ مجھ سے سوال ہوگا۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ ایسے متبحر عالم کیلئے ضروری ہے کہ وہ اپنے اجتہاد کے مطابق اپنی رائے قائم کرے۔اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر کس و ناکس اجتہاد شروع کر دے اس لئے کہ اجتہاد کیلئے شرائط ہے جو کتب اصول میں مذکور ہے۔ حضرت نے ۱۴۳۷ھ میں ایک موقع پر ارشاد فرمایا:”جو حدیث صحیح ہو اور غیر منسوخ ہو میرا اسی پر عمل ہے“۔ تقریباً یہی بات حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نے شاہ اسماعیل شہید کے متعلق تحریر فرمائی ہے، حضرت فرماتے ہیں:”بندہ نے جو کچھ سنا ہے مولانا مرحوم کا حال وہ یہ ہے کہ جب تک حدیث صحیح غیر منسوخ ملی اس پر عمل کرتے تھے، اگر نہ ملتی تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید کرتے تھے“ (فتاوی رشیدیہ صفحہ ۲۰۹)، یہی ہمارے حضرت شیخ کا مسلک معلوم ہوتا ہے۔یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ عادۃً حضرت شیخ کا میلان جانب احتیاط کی طرف ہوتا ہے، نیز یہ کہ کسی دوسرے مسلک کی رائے کو ترجیح دینے کا مدار دلائل کی بنیاد پر فرماتے ہیں نہ کہ محض یسر و آسانی کی بناء پر۔ایک موقع پر شیخ نے ارشاد فرمایا:الیسر ما ثبت عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

الغرض، اس جلد اول اور بالخصوص آنے والی جلدوں میں قارئین ایسے مواقع ضرور دیکھیں گے جن میں احناف کے دلائل کا منصفانہ تجزیہ کیا گیا ہے جس طرح کہ دوسرے مذاہب کے دلائل کا بھی تجزیہ کیا گیا ہے۔ اس جلد میں اس کی ایک مثال صفحہ ۲۶۵ پر موجود ہے جہاں شیخ کا میلان ہر عبادت میں نیت کے ضروری ہونے کی طرف ہے حتی کہ وضوء میں بھی اور حنفیہ کی طرف سے حدیث نیت کا جو جواب دیا گیا ہے اس پر نقد فرمایا ہے۔ اسی طرح ایک اور مثال صفحہ ۵۵۱ پر ہے جہاں ماء راکد میں وقوع نجاست کے سلسلہ میں حضرات حنفیہ کے بارہ اقوال نہایت جامع انداز میں پیش کرنے کے بعد تحریر فرمایا ہے کہ کسی ایک قول کی بھی تائید مستند دلیل سے نہیں ہو سکتی۔ یہ بات ذہن نشین رہے کہ بعض مسائل میں مذہب غیر کو اختیار کرنے سے آدمی اپنے مسلک کے دائرہ سے نکل نہیں جاتا۔ چنانچہ حضرت مولانا عبد الحي لکھنوی، حضرت مفتی محمد تقی عثمانی وغیرہ نے اس بات کی تصریح کی ہے اور اپنی تصانیف میں بعض ایسے اقوال کو ترجیح دی ہے جو مذہب حنفی میں نہ تو ظاہر روایت ہے اور نہ ہی مفتی بہ قول ہے (مثلا دیکھئے السعایہ ۱: ۳۸۲، التعلیق الممجد ۲: ۳۲۳، تکملہ فتح الملہم ۱: ۲۲۳، انعام الباری ۶: ۴۳۲ و ۴۷۰)۔

علامہ عبد الحي لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ الفوائد البہیۃ (صفحہ ۱۱۶) میں رقم طراز ہیں: ویعلم أیضا أن الحنفي لو ترك في مسئلة مذهب إمامه لقوة دلیل خلافه لا یخرج به عن ربقة التقلید، بل هو عین التقلید في صورة ترك التقلید، ألا ترى أن عصام بن یوسف ترك مذهب أبي حنیفة في عدم الرفع، ومع ذلك هو معدود في الحنفیة، ویؤیده ما حکاه أصحاب الفتاوى المعتمدة من أصحابنا من تقلید أبي یوسف یوما الشافعي في طهارة القلتین، وإلى الله المشتکى من جهلة زماننا حیث یطعنون على من ترك تقلید إمامه في مسئلة واحدة لقوة دلیلها ویخرجونه عن جماعة مقلدیه، ولا عجب منهم فإنهم من العوام، إنما العجب ممن یتشبه بالعلماء، ویمشي مشیهم کالأنعام، اسی طرح السعایۃ (۲: ۳۰۰) میں آپ رقم طراز ہیں: لا یتصور معاتبة الشافعي على مقلدي أبي حنیفة ولا معاتبة أبي حنیفة على مقلدي الشافعي، کیف وکل منهم على الصواب ومسلك کل من الأئمة مأخوذ من الشرع، فالاقتداء بأحدهم عین الاقتداء بالشارع بل ولا یتصور معاتبة أحد من الأئمة إذا انتقل واحد من مقلدیهم إلى مذهب إمام آخر أو قلده في بعض المسائل لا لغرض نفساني بل لقوة دلیل لاحت له فافهمه واحفظه، بلکہ النافع الکبیر کے مقدمہ میں (صفحہ ۶۵) آپ تحریر فرماتے ہیں: ومن منحه أني رزقت التوجه إلى فن الحدیث وفقه الحدیث، ولا أعتمد على مسئلة ما لم یوجد أصلها من حدیث أو آیة، وما کان خلاف الحدیث الصحیح الصریح أترکه وأظن المجتهد فیه معذورا بل مأجورا، ولکني لست ممن یشوش العوام الذین هم کالأنعام بل أتکلم الناس على قدر عقولهم.

اسی طرح شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی اصول الافتاء وآدابہ (صفحہ ۶۹) میں رقم طراز ہیں: ولکن لا ینافي التمذهب بمذهب معین أن یأخذ عالم متبحر له نظر في أدلة الأحکام في مسألة من المسائل قولا من مذهب آخر لا على أساس التشهي، بل على أساس أدلة قویة ظهرت له، انتهى، ثم بسط الکلام.

اسی طرح حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں: "البتہ اگر مقلد محض کو یہ معلوم ہو جائے کہ اپنے مذہب کی کوئی دلیل ہے ہی نہیں تو اس پر بھی واجب ہے کہ اس قول کو ترک کر دے" (امداد الفتاوی ۵: ۴۹۷)۔

ہمارے دیگر اکابر دیوبند کے یہاں بھی اس کی بعض مثالیں ملتی ہے اور یہ در حقیقت ولی اللہی فکر اور احادیث نبویہ کے ساتھ شغف کا نتیجہ ہے۔ مثلا:

1) حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نماز مغرب سے پہلے دو رکعت کے استحباب کے قائل ہیں بشرطیکہ جلدی اداء کی جائے (دیکھئے الکنز المتواری ۵: ۲۷، التبیان فی الفصل بعد الاذانین)، علامہ شبیر احمد عثمانی کا میلان بھی اسی کی طرف معلوم ہوتا ہے (دیکھئے فتح الملہم ۴: ۲۷۸) اور حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب کا بھی یہی مسلک ہے، حالانکہ فقہ حنفی میں یہ مکروہ یا زیادہ سے زیادہ مباح ہے۔

2) اسی طرح علامہ شبیر احمد عثمانی شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی اتباع میں جمعہ کے دن خطبہ شروع ہونے کے بعد تحیۃ المسجد پڑھنے کے جواز کو ترجیح دیتے ہیں جو شافعیہ اور حنابلہ کا مسلک ہے (دیکھئے حجۃ اللہ البالغۃ ۲: ۴۶، فتح الملہم ۴: ۳۴۶)۔

3) نیز آپ حرم مدینہ کے قائل ہیں (دیکھئے فتح الملہم ۶: ۲۷۱)۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور علامہ انور شاہ کشمیری کا میلان بھی کچھ اسی طرف ہے (دیکھئے حجۃ اللہ البالغۃ ۲: ۱۰۲، فیض الباری ۳: ۳۱۳)

4) اسی طرح آپ لا نکاح الا بولی کو ترجیح دیتے ہیں اور آپ نے امام داود ظاہری کے مسلک کے مطابق باکرہ اور ثیبہ میں تفریق کو راجح قرار دیا ہے گو ساتھ ہی ساتھ آپ نے یہ بھی تصریح کی ہے کہ یہ تفریق مذاہب اربعہ کے مسلک سے ہٹ کر ہے جس کی وجہ سے اسکو اختیار کرنے میں تامل ہے (دیکھئے فتح الملہم ۶: ۳۸۵)۔

5) اسی طرح مولانا ظفر احمد عثمانی جمعہ کے دن خطبہ سے قبل سلام امام کی مشروعیت کے قائل ہے (دیکھئے اعلاء السنن ۸: ۸۲) جو شافعیہ اور حنابلہ کا مسلک ہے، حالانکہ فقہ حنفی ومالکی میں یہ غیر مشروع ہے۔

6) اسی طرح علامہ انور شاہ کشمیری مثل اول وثانی اور اسی طرح شفق احمر وابیض کے درمیان اشتراک وقت کے قائل ہیں (دیکھئے فیض الباری ۲: ۱۲۸، انعام الباری ۳: ۳۰۵)۔

7) اسی طرح آپ سفر بلا محرم کے مسئلہ میں تحدید ایام کے قائل نہیں بلکہ آپ نے فتنہ کو مدار بنایا ہیں حالانکہ ہمارے فقہاء میں سے کسی نے اسکا تذکرہ نہیں کیا ہے جیسا کہ خود آپ نے اس کی تصریح کی ہیں (دیکھئے العرف الشذی ۲: ۴۰۷، نیز دیکھئے فیض الباری ۲: ۵۳۴، ملفوظات محدث کشمیری، صفحہ 415) بلکہ حضرت گنگوہی نے اسکے خلاف تصریح کی ہیں کہ تین دن کی مسافت تو مطلقا ممنوع ہے اور اس سے کم کی مسافت میں حکم کا دارومدار فتنہ پر ہے (دیکھئے الکوکب الدری ۲: ۲۵۸)، بلکہ حضرت امام محمد بن الحسن کے کلام سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے اور یہ عبارت اس مسئلہ میں نص کی حیثیت رکھتی ہے: ولكن الذي نهى رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم عنه من سفر المرأة هو الذي تقصر فيه الصلاة (الحجۃ علی اہل المدینۃ صفحہ ۱۶۸)۔ ویسے حضرت مفتی سعید پالنپوری مدظلہ کا رجحان تحفۃ الالمعی (۳: ۶۰۸) میں علامہ انور شاہ کے قول کی طرف ہے۔

8) اسی طرح علامہ انور شاہ کشمیری نے مصراۃ کے مسئلہ میں ایک صاع کھجور کے رد کے وجوب کو دیانۃ ثابت کیا ہیں (دیکھئے العرف الشذی ۳: ۳۲، فیض الباری ۳: 451) جب کہ حضرت مفتی سعید پالنپوری مدظلہ کا رجحان تحفۃ الالمعی (۴: ۱۷۲) میں استحباب کی طرف ہے، اور حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے تکملہ فتح الملہم (۱: ۲۲۵) اور اسی طرح انعام الباری (۶: ۲۹۴) میں حضرت امام ابو یوسف کے قول کو ترجیح دی ہیں جو دودھ کی قیمت کے وجوب کے قائل ہے (گو بندہ کے نزدیک یہ بھی قابل اشکال ہے کہ دودھ کی مقدار اور اسکی قیمت کون طے کریگا، اسی نزاع کو دور کرنے کیلئے شریعت نے ایک صاع تمر دینے کا حکم دیا ہے، وليس المحل للتفصيل)۔

9) اسی طرح حضرت مفتی رشید احمد لدھیانوی نے شریک کو اجیر بننے کی اجازت دی ہیں (دیکھئے احسن الفتاوی ۷:۳۲۱) جب کہ یہ نصوص حنفیہ اور دیگر اکابر کے فتاوی کے خلاف ہے (دیکھئے المبسوط للسرخسی ۱۱:۱۵۹و۲۳:۱۰۹، بدائع الصنائع ۶:۱۰۱، امداد الفتاوی ۳:۵۱۶، امداد الاحکام ۳:۳۱۴، فتاوی محمودیہ ۲۵:۱۱۸، فتاوی رحیمیہ ۹:۱۸۳)۔

10) اسی طرح طلوع شمس کے وقت صحت فجر کے سلسلہ میں علامہ عبد الحي لکھنوی، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، علامہ شبیر احمد عثمانی، مفتی محمد تقی عثمانی وغیرہ کا میلان جمہور کے مسلک کی طرف ہے (دیکھئے التعلیق الممجد ۱:۵۵۲، الکوکب الدری ۱:۲۱۶، فتح الملہم ۲:۱۸۸، انعام الباری ۳:۳۱۴، درس ترمذی ۱:۴۳۹)، جب کہ مولانا ظفر احمد عثمانی کا میلان امام طحاوی کے قول کی طرف ہے جو دونوں نماز یعنی فجر وعصر میں عدم صحت کے قائل ہے (دیکھئے اعلاء السنن ۵:۱۲)۔

11) اسی طرح رمضان المبارک میں تہجد باجماعت شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی کے نزدیک جائز بلکہ مستحسن ہے حالانکہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے نصا اسکے خلاف مروی ہے (دیکھئے فتاوی شیخ الاسلام صفحہ ۴۳، الوضاحۃ فی التطوع بالجماعۃ صفحہ ۵۸)۔

12) اسی طرح سجدہ ورکوع پر قدرت نہ ہونے کی صورت میں مولانا ظفر احمد عثمانی قیام کے وجوب کے قائل ہے (دیکھئے اعلاء السنن ۷:۲۰۱، حکم القیام لمن لایقدر علی الرکوع والسجود للعبد الضعیف) جو ظاہر روایت اور مفتی بہ قول کے معارض ہے۔

13) اسی طرح صلاۃ الکسوف میں مولانا یوسف بنوری، مولانا ظفر احمد عثمانی، مولانا شمس الدین افغانی، مولانا ادریس کاندھلوی، مفتی شبیر احمد بریطانی، وغیرہ جہری قرائت کے قائل ہیں (معارف السنن ۵:۳۱، التعلیق الصبیح ۲:۲۳۴، اعلاء السنن ۷:۱۷۱)۔

14) اسی طرح اگر مقتدی کے مذہب کے مطابق امام کی نماز درست نہ ہو لیکن امام کے نزدیک درست ہو تو حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، شاہ عبد العزیز محدث دہلوی، علامہ عبد الحي لکھنوی، شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی، علامہ انور شاہ کشمیری، مولانا یوسف بنوری، مولانا عبد الشکور ترمذی وغیرہ صحت صلاۃ کے قائل ہیں (دیکھئے فتاوی عزیزی صفحہ ۳۵۶، مجموعۃ الفتاوی صفحہ ۱۹۲، عمدۃ الرعایۃ ۲:۳۹۲، فیض الباری ۱:۴۵۸، العرف الشذی ۱:۷۰، معارف السنن ۱:۱۶۳، ۴:۱۷۰، علم الفقہ ۲:۲۴۰)، اور یہ ایک دلیل ہے ان مفتیان کرام کی جو حرمین شریفین میں امام کے پیچھے وتر صلاۃ پڑھنے کے جواز کے قائل ہیں جیسا کہ مفتی عاشق الہی بلند شہری، مولانا عبد الرشید نعمانی، مفتی نظام الدین اعظمی، مولانا مجاہد الاسلام قاسمی، مولانا عبد الحفیظ مکی، مفتی محمد رفیع عثمانی، مفتی محمد تقی عثمانی، مفتی حبیب الرحمن خیر آبادی، مفتی محمد سلمان منصورپوری، مفتی شبیر احمد قاسمی، مفتی شبیر احمد بریطانی، شیخ محمد عوامہ، وغیرہ کی رائے ہے (دیکھئے فتاوی حقانیہ ۳:۲۴۲، جدید فقہی مباحث ۱۳:۳۲، کتاب النوازل ۴:۵۶۲، فتاوی قاسمیہ ۸:۱۱۵، ادب الاختلاف صفحہ ۸۷، اس سلسلہ میں بندہ کی ایک مفصل تحریر ہے انگریزی زبان میں جو www.nawadir.org پر موجود ہے)۔

15) اسی طرح سری نمازوں میں علامہ عبد الحي لکھنوی قرائت خلف الامام کے استحباب کے قائل ہے اور علامہ انور شاہ کشمیری، مولانا ظفر احمد عثمانی وغیرہ کا میلان جواز کی طرف ہے (دیکھئے مجموعۃ رسائل اللکنوی ۳:۵۰و۲۶۷، السعایۃ ۲:۳۰۳، التعلیق الممجد ۱:

۴۰۸، اعلاء السنن ۴: ۱۰۴، العرف الشذی ۱: ۳۰۲، فیض الباری ۲: ۳۴۱، مجموع ثلاث رسائل الکشمیری صفحہ ۲۱۷)۔ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کا میلان بھی ایک عرصہ تک قرائت خلف الامام کی طرف رہا کما سیاتی۔

16) اسی طرح حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی صلاۃ الاستسقاء باجماعت کی سنیت کے قائل ہیں اور علامہ ابن عابدین کا رجحان بھی اسی طرف ہے (دیکھئے الکوکب الدری ۱: ۴۴۳، ردالمحتار ۲: ۱۸۴) حالانکہ یہ ظاہر روایت اور متون کی تصریح کے معارض ہے (دیکھئے الاصل ۱: ۴۴۷)۔

17) اسی طرح مولانا ظفر احمد عثمانی نماز جنازہ کی چوتھی تکبیر کے بعد دعاء کے استحباب کے قائل ہے (دیکھئے اعلاء السنن ۸: ۲۶۲) جیسا کہ شافعیہ اور مالکیہ کی ایک جماعت کا مسلک ہے، حالانکہ حنفیہ اور اکثر حنابلہ کے نزدیک یہ مشروع نہیں ہے، اور علامہ سرخسی کے نزدیک جائز ہے (دیکھئے المحیط البرھانی ۲: ۱۷۹)۔

18) اسی طرح حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی نے بیع کے بعد پھل کو درخت پر رہنے دینے کی شرط کو بناء علی العرف جائز قرار دیا ہے (دیکھئے امداد الفتاوی ۳: ۹۶)۔ مفتی رشید احمد لدھیانوی اور شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی کا رجحان بھی اسی طرف ہے۔ (دیکھئے احسن الفتاوی ۶: ۴۸۶ و ۴۹۰، فقہ البیوع ۱: ۳۳۲)۔

19) اسی طرح مولانا اشرف علی تھانوی نے دار الحرب میں ربوا کی حرمت کا فتوی صادر فرمایا (دیکھئے امداد الفتاوی ۳: ۱۵۵) جو امام ابو یوسف اور دیگر ائمہ کا مسلک ہے۔ شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کا رجحان بھی اسی طرف ہے۔ (دیکھئے فقہ البیوع ۲: ۱۷۷)۔

20) اسی طرح مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے قضاء بشاہد و یمین کے مسئلہ میں دیگر ائمہ کے قول کو راجح قرار دیا ہے (دیکھئے تکملۃ فتح الملہم ۲: ۳۲۹)۔ علامہ عبد الحي لکھنوی کا رجحان بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے (دیکھئے التعلیق الممجد ۳: ۳۳۹)۔

اسکے علاوہ اور بھی کئی مثالیں اکابر کی کتابوں میں موجود ہے۔ اسی مناسبت سے حضرت شیخ مولانا یونس صاحب کے ایک جواب کا اقتباس نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے، حضرت فرماتے ہیں: "آپ کے اس کلام (سوال) میں ایک بات قابل تنبیہ تھی، وہ یہ کہ اگر کوئی صورتِ جلوس کا قائل نہیں ہوتا ہے تو ترکِ تقلید کا اعلان کرے۔ محترم! یہ عجیب بات کہہ دی، اگر کوئی کسی کی ہر بات میں موافقت کرتا ہو اور اتفاق سے ایک دو باتوں میں جو اسکے نزدیک زیادہ اولی وارجح ہیں اگر موافقت نہ کرے تو کیا ایسے شخص کو اسکا مخالف قرار دینگے؟ ہر گز نہیں، اس قسم کا اختلاف تو باپ اور بیٹوں میں ہوا کرتا ہے، استاد اور شاگرد میں ہوتا ہے، مگر اس کو مخالفت سے تعبیر نہیں کرتے ہیں۔ اگر اتفاق سے اتباعِ امام نے امام صاحب سے بعض مسائل میں دلائل کی وجہ سے مخالفت کی ہے تو یہ متابعت کے خلاف نہیں ہے، آخر حضرات صاحبین نے حضرت امام ابو حنیفہ کی کتنے مسائل میں مخالفت کی ہے، پھر کوئی ان کے بارے میں یہ خیال رکھتا ہے کہ وہ امام صاحب کے خلاف ہیں۔ میرے کہنے کا حاصل یہ ہے کہ ایک دو نہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ مسائل میں اگر کوئی مخالفت کرے اور دلیل کے تابع ہو کر کرے تو یہ مخالفتِ امام نہیں ہے۔" پھر حضرت شیخ نے اسکی کئی مثالیں پیش کی ہے جو الیواقیت الغالیۃ (۱: ۹۴) میں دیکھی جاسکتی ہے۔

درحقیقت ہمارے اکابر دیوبند کے یہاں اجتہادی مسائل میں بڑا توسع تھا۔ حکیم الامت مجدد ملت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''جب میں کانپور میں حدیث پڑھاتا تھا تو میرے دل میں فاتحہ خلف الامام پڑھنے کی ترجیح قائم ہوگئی، چنانچہ اس پر عمل بھی شروع کردیا۔ مگر اپنے کسی عیب وصواب کو اپنے بزرگوں سے چھپانا مجھے کبھی پسند نہیں تھا، اسلئے یہ واقعہ خط میں حضرت گنگوہی کو لکھ کر بھیج دیا۔ اس کے جواب میں حضرت نے مجھے کچھ نہیں فرمایا۔ مگر چند روز ہی گزرے تھے کہ پھر خود بخود دل میں ترک فاتحہ خلف الامام کی ترجیح قائم ہوگئی اور اسکے مطابق عمل کرنے لگا۔ اس کی بھی اطلاع حضرت گنگوہی کو کردی، آپ نے اس پر بھی کچھ نہیں فرمایا۔ بعض اوقات بعض لوگوں نے حضرت مولانا سے میری شکایت کی تو مولانا نے میری حمایت فرمائی جسکا مبنی یہ تھا کہ حضرت کو معلوم تھا کہ یہ جو کچھ کرتے ہیں نیک نیتی سے کرتے ہیں''۔ اسکو حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مجالس حکیم الامت (صفحہ ۲۴۴) میں نقل کرکے اس پر ''اکابر دیوبند کا مسائل اجتہادیہ میں توسع'' کا عنوان لگایا ہے، اور حقیقت بھی یہی ہے کہ اس سے ہمارے اکابر کے اعتدال وتحقیقانہ شان کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

بہرکیف، بعض حضرات یہ سمجھتے ہیں کہ حضرت شیخ مولانا یونس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا تبحر علم حدیث تک محدود ہے۔ اس جلد میں کتاب الوضوء کی شرح پر سرسری نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ بات درست نہیں۔ شیخ براہ راست متقدمین حنفیہ کی کتابوں سے نقل فرماتے ہیں اور متاخرین کی کتابوں سے بھی۔ مثلا نبیذ تمر سے وضوء کے مسئلہ میں متعدد کتب حنفیہ سے نقل کرنے کے بعد یہی ثابت کیا ہے کہ تیمم کو نبیذ تمر پر ترجیح حاصل ہے (دیکھئے صفحہ ۵۶۶)۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ امام محمد بن الحسن الشیبانی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الاصل از اول تا آخر پڑھ چکے ہیں، بلکہ حضرت نے ۱۹۹۵ء کے ایک درس میں اسکی طرف اشارہ بھی کیا ہے۔ حضرت امام محمد بن الحسن کے ساتھ ساتھ آپ کو فقیہ ابو اللیث سمرقندی کے ساتھ ایک خصوصی تعلق ہے۔ چنانچہ اس جلد میں متعدد جگہوں پر فقیہ ابو اللیث کے اقوال نقل کئے ہے (دیکھئے صفحہ ۱۱۰ و ۲۳۲ و ۴۴۷ و ۵۶۸)۔ آنے والی جلدوں میں بھی قارئین فقیہ ابو اللیث سمرقندی کے افادات دیکھیں گے۔ ویسے حضرت شیخ کو حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الام سے ایک خصوصی مناسبت ہے، حضرت فرماتے ہیں: ''سب سے زیادہ مجھے شغف امام شافعی کی کتاب الام سے رہا ہے، اسلئے کہ امام حدیث کے متعلق بحث کرتے ہیں، اسکی تعلیلات پر بحث کرتے ہیں، اسکے رجال پر بحث کرتے ہیں، اسکی درجہ بندی کرتے ہیں، اور میرا ایہی مزاج ہے، اسلئے مجھے امام شافعی کی کتابوں سے بنسبت امام محمد کے کم از کم دس گنا یا سو گنا تعلق زیادہ ہے''[5]۔ اسی طرح علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کو بھی کتاب الام کے ساتھ خصوصی مناسبت تھی (دیکھئے مختارات الامام محمد انور شاہ الکشمیری، صفحہ ۴۵)۔

---

[5] اس مضمون میں ذکرکردہ مشایخ کے علاوہ بعض اکابر ایسے ہیں جن کی تصنیفات سے حضرت شیخ کو خصوصی شغف رہا۔ فقہ الاختلاف میں علامہ ابن المنذر کی کتاب الاوسط اور اسی طرح الاشراف، تفسیر میں علامہ ابن جریر طبری کی جامع البیان عن تأویل آي القرآن، معانی حدیث اور غریب الحدیث میں قاضی عیاض کی مشارق الانوار اور ابن قرقول کی مطالع الانوار، علوم حدیث میں علامہ زیلعی کی نصب الرایۃ، علامہ ابن عبد الهادی کی تنقیح التحقیق اور الصارم المنکی، حافظ ذہبی کی المیزان، حافظ ابن رجب کی فتح الباری، جامع علوم الحکم، العلل، علامہ ابن حزم کی المحلی، فقہ حنفی میں امام طحاوی اور علامہ عبد الحي لکھنوی کی تصانیف، اور ملفوظات میں حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کے ملفوظات قابل ذکر ہے۔

حضرت شیخ کے یہاں اصل مراجع اور کتب متقدمین کی طرف رجوع کرنے کا یہ طریقہ کار صرف فقہ حنفی تک محدود نہیں، بلکہ مذاہب اربعہ کے علاوہ دیگر اقوال کیلئے بھی اصل مراجع کی طرف مراجعت کا اشد اہتمام پایا جاتا ہے۔ چنانچہ اسی کے نتیجہ میں امور فقہیہ میں بھی نسبت کی اغلاط کی نشاندہی اس شرح کی ایک مزید امتیازی خصوصیت ہے (مثلاً دیکھئے صفحہ ۴۴۱ و ۴۷۲ و ۵۶۸)۔ فقہاء اور محدثین کے مسلکی و فقہی اقوال کی درست پہچان و تنقیح حضرت شیخ کی خصوصیت ہے جسکا تذکرہ حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب (متوفی ۱۴۳۸ھ، ۲۰۱۷ء) نے کشف الباری کے مقدمہ (۱:۵۸) میں ان الفاظ سے کیا ہے: "فقہی مسائل میں فقہاء و علماء کے مذاہب کی تنقیح، قدیم و جدید شراح و محدثین کے کلام پر نقد و نظر اور روایات مکررہ کی نشاندہی وغیرہ امور میں عموماً شیخ الحدیث حضرت علامہ محمد یونس صاحب دامت برکاتہم کا اتباع کیا ہے، کیا اچھا ہوتا اگر حضرت مولانا موصوف کی درس بخاری شریف کی پوری تقریر میسر آجاتی"۔ درحقیقت ہمارے والد محترم مفتی شبیر احمد صاحب نے حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب کو شیخ کی ٹیپ سے ضبط کردہ تقریر بخاری کے کچھ اجزاء فراہم کئے تھے۔ بہتر ہوتا کہ کشف الباری کے مرتبین نے جہاں کہیں حضرت شیخ کے افادات سے براہ راست استفادہ کیا ہے اس کو موقع بموقع درج فرمادیتے، فمن بركة العلم أن يضاف إلى قائله۔[6]

بہرحال اس جلد اول سے یہ بات ظاہر ہے کہ علم حدیث کے ساتھ ساتھ مذاہب علماء اور فقہ میں بھی اللہ تعالی نے آپ کو ایک خاص ملکہ عطا فرمایا ہے۔

(۱۰) کتاب الایمان کی شرح اور شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ سے خصوصی مناسبت

اس جلد اول کا ایک بہت مفید حصہ کتاب الایمان کی شرح ہے۔ ایمان اور کفر کے بعض مشکل ابحاث و پیچیدہ مسائل کو نہایت سلیس اور جامع انداز میں پیش کیا گیا ہے جو طلبہ اور اساتذہ کیلئے بہت ہی نافع ہے۔ متعدد محققین کی کتابوں سے مواد لیا گیا ہے جیسے امام طحاوی (متوفی ۳۲۱ھ، ۹۳۳ء)، امام لالکائی (متوفی ۴۱۸ھ، ۱۰۲۷ء)، امام بیہقی (متوفی ۴۵۸ھ، ۱۰۶۶ء)، حافظ ابن عبد البر (متوفی ۴۶۳ھ، ۱۰۷۱ء)، شیخ الاسلام ابن تیمیہ (متوفی ۷۲۸ھ، ۱۳۲۸ء)، علامہ ابن حزم (متوفی ۴۵۶ھ، ۱۰۶۴ء)، علامہ ابن الجوزی (متوفی ۵۹۷ھ، ۱۲۰۱ء) وغیرہ۔

---

6 حضرت شیخ کے انتقال کے بعد مولانا ابن الحسن عباسی کی ایک تحریر نظر سے گذری، اسکے کچھ اقتباسات نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے: "شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب نور اللہ مرقدہ اپنے گھر کے مہمان خانے میں دار التصنیف کی طرف میرے ساتھ ریگ میں پڑی کاپیاں منتقل کرنے لگے، معلوم ہوا کہ یہ حضرت مولانا یونس صاحب مظاہری کے درس بخاری کی تقریر ہے جو کیسٹوں میں تھی اور حضرت شیخ نے اپنی نگرانی میں اسے کاپیوں میں منتقل کیا، دوسری تقریر حضرت شیخ کی اپنی تھی وہ فائلوں میں کیسٹوں سے منتقل کی گئی تھی۔ انہیں دونوں تقریروں کو بنیاد بنا کر کشف الباری کتاب المغازی کا آغاز کیا گیا۔ دوران مراجعت اندازہ ہوا کہ حضرت مولانا یونس صاحب انتہائی کثیر المطالعہ محدث ہیں، بعض اوقات وہ عام مراجع سے ہٹ کر کوئی بات کہہ دیتے، وہ نہ ملتی تو میں کبھی کبھار اسے چھوڑ دیتا، لیکن بعد میں وہ قول کہیں نہ کہیں مل جاتا، اس لئے پھر معمول یہ رہا کہ حضرت مولانا یونس رحمۃ اللہ علیہ کا قول اگر کہیں نہیں ملتا تو انہی کے حوالے سے نقل کر کے لکھ دیتا: ما وجدت في ما بين يدي من المصادر۔ وہ شبلی نعمانی کی سیرۃ النبی کے مداح تھے، فرماتے تھے بعض تفردات کے باوجود واقعات سیرت کی جو منظر کشی اس میں کی گئی ہے وہ بے مثال ہے۔ مولانا یونس صاحب کے علمی مقام کا عالم یہ ہے کہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے الابواب والتراجم میں کئی جگہ ان کا نام لے کر ان کی رائے نقل کی ہے۔ یہ برصغیر کے جلیل القدر شیخ الحدیث کے اپنے شاگرد کے لیے خراج عقیدت ہے اور اس سے بہتر ہدیہ محبت کیا ہو سکتا ہے"۔

اس موقع پر ناانصافی ہوگی اگر شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ کا خاص طور سے ذکر نہ کیا جائے۔ ہمارے شیخ کے یہاں انکا بہت اونچا مقام ہے۔ بارہا ان کا تذکرہ درس میں اور اسی طرح مجالس میں ہوتا رہتا ہے۔ حضرت اپنے استاد و مرشد حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی کی اتباع میں ہمیشہ ان کو شیخ الاسلام اور اسی طرح علامہ کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ ابن تیمیہ کا تفقہ ابن حجر سے زیادہ ہے۔ ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ امام ابن تیمیہ امام الدنیا ہے۔ ایک مرتبہ کہا: امام الانام و شیخ الاسلام۔ ایک مرتبہ کہا: علامۃ الانام ہے، میں نے ان سے تو بہت (علم) لیا ہے۔ ایک مرتبہ ارشاد فرمایا: ابن تیمیہ سے میری اکثر ملاقات ہوتی رہتی ہے، ان کے بحر علم میں کھو جاتا ہوں، جن چیزوں کو صوفیہ احوال کہتے ہیں ابن تیمیہ اپنی کتابوں میں انہیں اجزاء ایمان کہتے ہیں، ان کے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوتا۔ ایک مرتبہ ارشاد فرمایا: هذا إمام الدنيا، غواص البحار، يخرج منها الجواهر والدرر، كتابه منهاج السنة متداول بين الأنام، لم يصنف مثله۔ ایک مرتبہ ارشاد فرمایا: ابن تیمیہ بہت بڑے آدمی ہیں۔ نہایت محقق بات بولتے ہیں۔ لوگ پوری طرف سے اعتراف نہیں کرتے، دنیا کا ہر عالم منہاج السنۃ کو جانتا ہے۔ نیز حضرت کو بارہا یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے فن حدیث ان ماہرین واکابر سے حاصل کیا ہے: علامہ ابن تیمیہ (متوفی ۷۲۸ھ، ۱۳۲۸ء)، حافظ ذہبی (متوفی ۷۴۸ھ، ۱۳۴۸ء)، حافظ ابن کثیر (متوفی ۷۷۴ھ، ۱۳۷۳ء)، حافظ ابن القیم (متوفی ۷۵۱ھ، ۱۳۵۰ء)، حافظ ابن رجب (متوفی ۷۹۰ھ، ۱۳۹۳ء)، حافظ ابن عبد الہادی (متوفی ۷۴۴ھ، ۱۳۴۳ء)، حافظ جمال الدین زیلعی (متوفی ۷۶۲ھ، ۱۳۶۰ء) اور حافظ ابن حجر عسقلانی (متوفی ۸۵۲ھ، ۱۱۴۹ء)۔ ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا: ابن تيمية أعلم وأفقه من ابن حجر، وأما ابن حجر فأعلم منه بطرق الحديث، وأما معنى الحديث فلا يداني ابن تيمية أحد، نیز ارشاد فرمایا: حبي لابن تيمية طبيعي، لا يزول ولا يزال، وأخالفه في مسائل[7]، ولم أخالفه في الروايات إلا في ثلاث روايات.[8]

چنانچہ اس جلد اول میں کم از کم بیس حوالے حافظ ابن تیمیہ کے موجود ہے۔ بلکہ ایک جگہ پر (صفحہ ۴۲۰) حضرت نے مثال دے کر ثابت کیا ہے کہ صحیح بخاری کے ایک معروف شارح حافظ ابن تیمیہ اور حافظ ابن القیم کی تحقیقات کو انکی طرف منسوب کئے بغیر نقل کرتے ہیں۔ ایک موقع پر

---

[7] قال العبد الضعيف عفا الله عنه في أقوال الجهابذة في شيخ الإسلام ابن تيمية في ترجمة شيخنا رحمه الله: وهكذا تعقب شيخُنا ابنَ تيمية في بعض المسائل كمسئلة المعراج بالروح كما في اليواقيت الغالية (٤١٦/٣) وكتاب التوحيد (ص ١٦٩)، ومسألة الدعاء بعد الصلوة كما في اليواقيت الغالية (٢٣٤/١)، وحديث صلاة الحاجة كما في اليواقيت الغالية (٢٥٠/٤). ولم يوافقه في مسألة الطلاق كما سيأتي، انتهى. وهكذا لم يوافقه في مسألتي الطلاق في الحيض وشد الرحال لزيارة رسول الله صلى الله عليه وسلم والصلاة في مسجده.

[8] حضرت شیخ کے انتقال کے بعد حضرت کے قلم سے لکھی ہوئی ایک تحریر ملی جس میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک ملفوظ نقل کیا گیا ہے، یہاں حضرت کے الفاظ بعینہ نقل کئے جاتے ہے: ''ابن قیم عارف تھے اور ان کے شیخ ابن تیمیہ بھی عارف تھے، ابن قیم نے ایک کتاب مدارج السالکین لکھی ہے، یہ ایک کتاب کی شرح ہے، متن نہایت موحش ہے مگر شرح میں اسکی بہت عمدہ توجیہ کی ہے، اور کوئی خشک ہوتا تو ماتن پر کفر کا فتوی لگا دیتا نہ کہ شرح لکھتا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فن کے واقف تھے۔ ابن قیم نے ایک اور کتاب لکھی ہے الجواب الکافی، اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ عارف تھے (ملفوظات حضرت تھانوی المسمی بہ کلمۃ الحق صفحہ ۹۱)، وراجع المرقاۃ (۴:۴۲۷): ففيها أنهما كانا من أهل السنة والجماعة بل ومن أولياء هذه الأمة''۔ کلمۃ الحق میں اس سے قبل مندرجہ ذیل کلام ہے جسکو نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے: ''ابن قیم نے اس حدیث کے کہ موت ایسے وقت آئے جب حق تعالی کے ساتھ حسن ظن ہو یہ معنی بتلائے ہیں کہ اعمال کی اصلاح کرو، حقوق ادا کرو، کیونکہ عادۃ حسن ظن بدون اصلاح اعمال کے نہیں ہوتا، یہ بہت عمدہ تفسیر ہے''۔

حضرت نے اس کی وجہ بھی بیان کی کہ شارح مذکور کے زمانہ میں اشعریت کا غلبہ تھا۔ راقم السطور نے بھی اس قسم کی کچھ مزید مثالیں ایک انگریزی مضمون میں جمع کی ہے۔

بہر حال حضرت شیخ امام ابن تیمیہ کے بہت معتقد ہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر مسئلہ میں آپ ابن تیمیہ کے موافق ہیں۔ چنانچہ حضرت نے ابھی ماضی قریب میں محدثات میں قدم کے مسئلہ کو بیان کرتے ہوئے علامہ ابن تیمیہ اور اسی طرح علامہ ابن ابی العز الحنفی کا موقف بیان کیا، اسکے بعد ارشاد فرمایا کہ یہ مسئلہ بڑا نازک ہے پرہیز کرنا چاہئے، سکوت اولی ہے۔ کتاب التوحید جو آپ کی ۱۴۰۲ھ کی ضبط شدہ تقریر بخاری ہے اس میں حضرت ارشاد فرماتے ہیں: یہ مسئلہ علامہ ابن تیمیہ کا بڑا عجیب وغریب اور شدید ہے، اسلئے کہ اس کے تسلیم کرنے میں حوادث وممکنات کو قدیم ماننا پڑتا ہے اور پھر ابن تیمیہ کی طرف سے قدم نوعی کی توجیہ وتاویل کرنی پڑتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس طرح کی چیزوں میں پڑنا مناسب نہیں ہے، بس جتنا آگیا اس پر ایمان لانا چاہئے (کتاب التوحید صفحہ ۷۲)۔

اسی طرح ماضی قریب میں ایک بار ارشاد فرمایا کہ در حقیقت امام ابن تیمیہ پر اثبات صفات باری تعالی کا غلبہ تھا۔ ۱۴۰۲ھ کی ضبط شدہ تقریر میں حضرت نے ارشاد فرمایا: حقیقت یہ ہے کہ امام ابن تیمیہ کا کلام استواء علی العرش کے مسئلہ میں ایہام ضرور پیدا کرتا ہے، وہ جہاں پر نزول کا مسئلہ بیان کرتے ہیں تو نفاۃ صفات کی تردید میں اتنے زور میں آجاتے ہیں کہ ان کا قلم اس طرح چل پڑتا ہے جس سے تجسیم کا شبہ ضرور پیدا ہونے لگتا ہے، مگر وہ خود جگہ جگہ تجسیم کا انکار کرتے ہیں اور جیسے وہ تعطیل کا انکار کرتے ہیں ان کی رائے یہ ہے کہ تجسیم سے بھی اجتناب کیا جائے۔ انہوں نے جہاں نزول رب کا مسئلہ بیان کیا وہاں اس مسئلہ میں اختلاف نقل کیا کہ نزول کے وقت عرش الہی خالی ہوتا ہے یا نہیں، یا کچھ بھی نہ کہنا چاہئے۔ علامہ ابن تیمیہ نزول کو اس کی حقیقت پر رکھتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ خلو کا قول بالکل غلط ہے، اللہ محیط بکل شیئ۔ باقی بھائی بہت زیادہ غلو نہیں کرنا چاہئے، نزول ہوتا ہے، اسپر ایمان لاتے ہیں، مگر کیفیت نزول کیا ہے ہمیں معلوم نہیں، اللہ مستوی علی العرش ہے ہم اس پر ایمان لاتے ہیں، لیکن کیفیت کیا ہے ہم اس کو نہیں جانتے ہیں۔ جب اللہ کی حقیقت کسی کو معلوم نہیں تو اس کی صفات علو ونزول وغیرہ سے حقیقی واقفیت کسی کو کیسے ہو سکتی ہے۔ یہاں تو وہ کہنا چاہئے جو سلف صالحین سے منقول ہے: أمروها كما جاءت۔ جیسی آئی ہیں ویسے ہی انہیں گذار دو، اپنی طرف سے کچھ مت کہو (کتاب التوحید صفحہ ۷۱)۔ اسی طرح حضرت شیخ نے ارشاد فرمایا: میں اس مسئلہ میں (یعنی صفات باری تعالی اور استواء وعلو کے مسئلہ میں) بہت صفائی کے ساتھ یہ بات کہتا ہوں کہ میں متکلمین کے توغل کو بہت زیادہ پسند نہیں کرتا ہوں، اس لئے کہ انہوں نے عقائد اسلام کو کلام اہل یونان سے خلط کر کے اور کلام اہل یونان کو اصل بنا کر نصوص کو اس کی طرف سے پھیرنے کی کوشش کی ہے، نصوص کو اپنے ظاہر پر رکھا جائے اور تسلیم وتفویض سے کام لیا جائے (کتاب التوحید صفحہ ۸۱)۔[9]

[9] ان عبارات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ باب صفات میں ہمارے حضرت شیخ رحمہ اللہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی تمام تعبیرات وآراء سے متفق نہیں تھے، نیز یہ کہ حضرت کا وہی مسلک ہے جو سلف صالحین کا مسلک ہے اور یہی محققین اکابر علماء دیوبند کا مسلک ہے۔

برطانیہ کے مشہور عالم دین ومحقق مفتی عمر فاروق لوہاروی تحریر فرماتے ہیں: ''شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب جونپوری نوراللہ مرقدہ سے کچھ تفردات منسوب ہیں، جن میں سے بعض میں بظاہر تفرد معلوم ہوتا ہے، لیکن درحقیقت اس میں حضرت موصوف رحمۃاللہ علیہ متفرد نہیں ہیں، جیسا کہ صفات باری تعالی کا مسئلہ، چنانچہ حضرت نوراللہ مرقدہ فرماتے ہیں: میں مسئلہ صفات میں بالکل سلف کے عقیدہ کا حامل ہوں۔ دوران درس یہ بات میرے ذہن میں آئی، تو دل میں ایک خوف طاری ہوگیا اور یہ خیال آیا کہ تم سارے اہل کلام کے خلاف ایک الگ بات کہہ رہے ہو، آخر کل اللہ کے یہاں کیا جواب دوگے؟ اس خیال کے آنے کے فوراً بعد میں نے دل ہی دل میں بہت گڑگڑا کر دعا کی، کہ اے اللہ! میری مدد فرما! اس وقت طبیعت میں اطمینان کی کیفیت طاری ہوگئی اور ایک بات ظاہر ہوئی، جس کو میں نے خود اپنی زبان سے کہہ دیا، کہ اگر پوچھا جائے گا کہ اللہ کے لئے ید کا عقیدہ کیوں رکھا؟ تو میں جواب دوں گا: قرآن کریم میں ہے: يد الله فوق أيديهم. سوال ہوا: عین کا عقیدہ کیوں رکھا؟ تو میں جواب دوں گا کہ قرآن کریم میں ہے: ولتصنع على عيني. کہا گیا: ساق کا عقیدہ کیوں رکھا؟ تو میں جواب دوں گا: قرآن کریم میں ہے: يوم يكشف عن ساق. غرض کہ نصوص ذہن میں آنا شروع ہوئیں اور ایک ہی بات سب کے متعلق آنے لگی، اور اگر مزید پوچھا گیا تو میں جواب دوں گا: اللهم أثبت ما أثبت وأثبت نبيك، وسكت عما سكت عليه وسكت عنه نبيك. '' (فیوض سبحانی مجلس ختم بخاری ص ۱۵، ۱۶)۔ راقم السطور نے بھی حضرت سے یہ بارہا سنا۔ بہر حال اسکو نقل کرنے کے بعد حضرت مفتی عمر فاروق صاحب تحریر فرماتے ہیں: ''صفات کے متعلق موصوف نوراللہ مرقدہ نے جو موقف اپنا بیان فرمایا ہے وہی موقف جماعت دیوبند کے علمی وفکری امام اور مسند الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، علماء دیوبند کے سرخیل حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ اسرارھم جیسے ہمارے اکابر کا بھی تھا''۔ (راہ عافیت، صفرالمظفر ۱۴۳۹ھ، صفحہ ۴)۔

راقم السطور عرض کرتا ہے کہ چونکہ اس سلسلہ میں بعض حضرات کو غلط فہمی ہے اس لئے اپنی ایک مفصل تحریر سے ہمارے اکابر کی چند عبارات قارئین کی خدمت میں پیش کرتا ہوں تا کہ روز روشن کی طرح واضح ہو جائے کہ حضرت شیخ رحمہ اللہ باب صفات وعقائد میں سلف اور ہمارے اکابر کے مسلک سے منحرف نہیں تھے۔

علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃاللہ علیہ فرماتے ہیں: فالحاصل أن نزول الباري إلى سماء الدنيا نزول حقيقة يحمل على ظاهره، ويفوض تفصيله وتكييفه إلى الباري عز برهانه، وهو مذهب الأئمة الأربعة والسلف الصالحين كما نقله الحافظ في فتح الباري عنهم، وذهب الأشاعرة المتكلمون إلى ما ذهبوا. آگے فرماتے ہیں: فحاصل الباب أن نؤمن بالمتشابهات كما وردت بظاهرها ونفوض التفصيل إلى الله، وورد في النصوص أن لله يمينا ورجلا وحقوا ويدا ووجها وغيرها، فنؤمن بظاهرها (العرف الشذی ۱: ۴۱۷، نیز دیکھئے فیض الباری ۲: ۵۶۶ اور ۶: ۴۰۴ و ۵۷۴)۔

اسی طرح حکیم الامت مجدد ملت حضرت اقدس مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃاللہ علیہ بوادر النوادر (صفحہ ۳۸۴) میں تحریر فرماتے ہیں: ''میں اس عقیدہ میں حضرات سلف کے مسلک پر ہوں کہ نصوص اپنی حقیقت پر ہیں مگر کنہ اس کی معلوم نہیں اور صوفیہ کے مذہب کو سلف کے خلاف نہیں سمجھتا، وہ حقیقت کے منکر نہیں بلکہ جہت کے منکر ہیں اور جہت کی نفی نقل وعقل دونوں سے ثابت ہے''۔

اسی طرح مولانا ادریس کاندھلوی رحمۃاللہ علیہ معارف القرآن (۲: ۵۴۷) میں تحریر فرماتے ہیں: ''اس قسم کی آیات معلوم المعنی اور مجہول الکیف ہیں یعنی یہ تو ہم جانتے ہیں کہ ید کے معنی ہاتھ اور وجہ کے معنی منہ کے ہیں مگر یہ معلوم نہیں کہ خدا کا ہاتھ اور منہ کس طرح کا ہے، معاذاللہ اگر اس کا ہاتھ ہمارے ہاتھ جیسا ہو تو جسمیت اور تشبیہ لازم آئے گی، لہذا یہ عقیدہ رکھنا چاہئے کہ جس طرح خدا تعالی کی ذات اور اس کی حیات اور سمع اور بصر اس کی شان اقدس کے لائق اور ہمارے ادراک اور بیان سے وراء الوراء ہے اسی طرح اس کی صفت ید اور صفت وجہ بھی دیگر صفات کی طرح بے مثل اور بے چون ہے اور اُس سے وہی معنی مراد ہیں جو اس کی شان اقدس کے لائق ہوں، ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں کہ حق تعالی کے لئے وجہ اور ید اور سمع اور بصر وساق اور قدم ثابت ہیں جیسے اسکی ذات والا صفات کے شایان شان ہیں اور اس کی حقیقت اور کیفیت کے درپے نہیں اور بااین ہمہ وہ کسی بات میں مخلوقات کے مشابہ نہیں''۔ اسی طرح ایک اور مقام پر (۹:۱) حضرت مولانا ادریس صاحب تحریر فرماتے ہیں: ''صفات باری تعالی

میں صحابہ وتابعین رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین کا یہی مسلک تھا اور وہ حضرات اس لیس کمثله شيء کے اسماء حسنی میں تاویل کو بدعت سمجھتے تھے۔ امام ابوالحسن اشعری نے اخیر عمر میں متکلمین کے طریق تاویل وتمثیل کو چھوڑ کر مذہب سلف ہی کی طرف رجوع فرمایا جیسا کہ امام موصوف نے اپنی آخری تصنیف کتاب الابانہ میں اُسکی تصریح کی ہے"۔

اسی طرح حضرت مفتی سعید پالنپوری مدظلہ ارشاد فرماتے ہیں: "سب سے پہلا میں سلفی ہوں لیکن میں اشعری بھی ہوں اور ماتریدی بھی، تینوں کس طرح جمع ہو سکتے ہیں؟ اس طرح کہ اللہ کی تمام صفات کو جو قرآن وحدیث میں آئی ہیں میں مانتا ہوں، قرآن میں ہے: أأمنتم من في السماء پس میں مانتا ہوں کہ اللہ تعالی آسمان میں ہیں، چنانچہ ہم جب بھی کہتے ہیں: اللہ نے یہ فرمایا تو ہم انگلی اوپر کی طرف کرتے ہیں، زمین کی طرف نہیں کرتے، مگر اللہ کے آسمان میں ہونے کی کیفیت کیا ہے؟ یہ میں نہیں جانتا، اسی طرح اللہ تعالی عرش نشیں ہیں، اللہ کا عرش بھی مانتا ہوں، اللہ کے عرش پر بیٹھنے کو بھی مانتا ہوں، لیکن کوئی پوچھے کہ اس کی کیفیت کیا ہے؟ تو میں یہ بات نہیں جانتا، اسی طرح اللہ کا چہرہ بھی ہے، ہاتھ بھی ہے، پنڈلی بھی ہے، میں یہ سب باتیں مانتا ہوں، مگر کوئی پوچھے کہ وہ کیسے ہیں؟ تو میں یہ بات نہیں جانتا۔ پس میرا مذہب تنزیہ مع التفویض ہے۔ تنزیہ کا مطلب ہے: اللہ کی مخلوق کی مشابہت سے پاکی بیان کرنا، پس کہیں گے: اللہ کا ہاتھ ہمارے ہاتھ جیسا نہیں، اللہ کا چہرہ ہمارے چہرے جیسا نہیں، اور تفویض کا مطلب ہے: صفات کی کیفیت کو اللہ کے حوالہ کرنا۔ یہ کہنا کہ اللہ تعالی ہی اپنی صفات کو بہتر جانتے ہیں۔ یہی اصل سلفیت ہے اور علمائے دیوبند اسی کے قائل ہیں۔ لیکن بیمار ذہنوں کو مطمئن کرنے کے لئے میں اللہ کی صفات کی مناسب تاویل کو بھی جائز کہتا ہوں" (علمی خطبات ۱:۱۲۸)۔

حضرت مولانا عبد الحي لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "سوال: صفات باری تعالی مثلاً استواء علی العرش، ید اللہ، وجہ اللہ، کی آیات کے بارے میں علماء حق کا کیا مسلک ہے، آیا مسلک تاویل حق ہے یا کوئی اور مسلک؟ جواب: اس بارے میں چند مسلک ہیں، ایک مسلک تاویل یعنی استواء معنی میں استیلاء اور غلبہ کے ہے اور ید بمعنی قدرت، وجہ بمعنی ذات وغیرہ، اور یہی مسلک تاویل علماء متاخرین متکلمین کا مختار ہے۔ دوسرا مسلک معنی اور کیفیت میں تشابہ کا ہے یعنی ان صفات کے معنی اور کیفیت کا علم کسی کو نہیں۔ تیسرا مسلک یہ ہے کہ معنی تو معلوم ہیں مگر کیفیت مجہول، اور یہی تیسرا مسلک حق ہے، صحابہ وتابعین، ائمہ مجتہدین ومحدثین وفقہاء واصولیین کا یہی مسلک ہے"۔ آگے جواب کے آخر میں تحریر فرماتے ہیں: "ان تمام عبارات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ صحابہ سے لیکر ائمہ مجتہدین تک حنفیہ غیر حنفیہ سب کا مذہب یہی کہ باری تعالی کی فوقیت عرش پر اور اسی طرح ید، وجہ وغیرہ، اس کی صفات بلا کیف ہیں، ان میں تاویل کرنا صحیح نہیں۔ تاویل کا منشاء صرف اس قدر ہے کہ جب فرقہ مجسمہ نے اس قسم کی آیات واحادیث سے باری تعالی کی شان میں تجسم کا خیال کیا، تو حضرات علماء نے ان کو ساکت وصامت کرنے کے لئے تاویلیں شروع کیں، یہ غرض ہر گزنہ تھی کہ یہ تاویل کردہ معنی ہی مراد ہیں، بلکہ محض شبہ تجسم دفع کرنے کے لئے، حاصل کلام یہی نکلتا ہے کہ فوقیت، استواء، ید، وجہ وغیرہ کی آیات اپنے ظاہری معنی پر محمول ہیں اور کیفیات سب کی مجہول ہیں اور اس میں تجسم بھی لازم نہیں آتا، کیونکہ جب کیفیت مجہول ہے اور لیس کمثله شيء کا پورا پورا خیال کیا گیا تو تجسم کسی طرح بھی لازم نہیں آسکتا"۔ (فتاوی مولانا عبد الحي مبوب، صفحہ ۱۰۱)۔ ایک جگہ مولانا عبد الحي صاحب فرماتے ہیں: "ذات پروردگار کو عرش پر سمجھنا بدوں بیان کیفیتِ استواء اور اس کے علم کو محیط تمام عالم سمجھنا اور آیات معیت وقرب وغیرہ کو قرب ومعیت علمی پر حمل کرنا مذہب اہل سنت کا ہے"۔ نیز فرمایا: "اور یہ جو مشہور ہے کہ یہ مذہب حنابلہ کا ہے غلط ہے، بلکہ یہ مذہب جمہور محققین حنفیہ وشافعیہ وحنابلہ ومالکیہ ومحدثین وغیر ہم کا ہے۔ البتہ بعض حنابلہ استواء مع بیان الکیفیۃ کے قائل ہو گئے ہیں اور استقرار پروردگار کو مثل استقرار مخلوقات کے سمجھتے ہیں، یہ مذہب مردود ہے"۔ (فتاوی مولانا عبد الحي مبوب، صفحہ ۵۲)۔

حاصل کلام یہ ہے کہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا وہی مسلک ہے جو ہمارے سلف اور اکابر کا ہے۔ نیز اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ گو حضرت تاویل کو پسند نہیں فرماتے تھے لیکن معاذ اللہ حضرت نے کبھی بھی مؤولین کی تضلیل یا تفسیق یا تکفیر نہیں کی جیسا کہ بعض متشدد معاصرین کرتے ہیں، بلکہ حضرت اسکو اجتہادی غلطی پر محمول کرتے ہوئے فرماتے تھے کہ میں مؤولین سے متفق نہیں ہوں لیکن میں ان کے خلاف سخت بات بھی نہیں کرتا۔

اللہ تعالیٰ ان تمام مشائخ وشراح پر اپنا خصوصی رحم وفضل فرمائے، ہمیں ان کے فیوض سے مستفید فرمائے، ان کے احسانات کو ہم کبھی بھی فراموش نہیں کر سکتے۔

یہ کچھ ملحوظات ہے جو راقم السطور نے اس شرح پر سرسری نظر ڈالنے کے بعد جمع کی۔ اس شرح کو پڑھنے کے بعد آدمی ان شاءاللہ العزیز یقین کر لیگا کہ یہ عصر حاضر کی سب سے زیادہ مستند اور مفید شرح ہے۔ حضرت کے اجل طلباء اور خلفاء یقیناً اس شرح کی خصوصیات وافادیت پر مزید روشنی ڈالیں گے اور اسکی بہترین ترجمانی کریں گے۔

یہ جلد اول ۵۸۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ شروع کتاب سے لیکر کتاب الوضوء کے آخر تک کی شرح ہے۔ اللہ تعالیٰ اس شرح کی تکمیل کو آسان فرمائے اور جلد از جلد منظر عام پر لانے کے اسباب مہیا فرمائے۔[10] اللہ تعالیٰ ہمارے مشفق حضرت مولانا ایوب سورتی صاحب کی عمر میں برکت عطا فرمائے اور ان کو دارین میں بہترین بدلہ عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ ہماری لغزشوں کو معاف فرمائے اور جنت الفردوس میں سلف صالحین کے ساتھ جگہ نصیب فرمائے۔

یوسف شبیر احمد عفی اللہ عنہ، خادم الحدیث والسنۃ النبویۃ، بلیکبرن، یوکے

۲۹ رجب ۱۴۳۸ھ، ۲۶ اپریل ۲۰۱۷ء

نوٹ: یہ مضمون اصلا انگریزی میں حضرت مولانا محمد یونس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی حیات میں لکھا گیا تھا۔ حضرت کے انتقال بعد شیخ الحدیث حضرت مولانا ایوب سورتی صاحب کے حکم پر اسکا اردو وعربی میں ترجمہ کیا گیا اور مزید کچھ باتوں کا اضافہ کیا گیا۔ اصل مضمون انگریزی جاننے والے حضرات www.nawadir.org پر پڑھ سکتے ہیں۔

---

10 بحمدہ تعالیٰ اس شرح کی دوسری جلد بھی شائع ہو کر منظر عام پر آچکی ہے، نیز جلد اول بھی تصحیح کے ساتھ دوسری بار شائع ہو چکی ہے، ان شاءاللہ العزیز تیسری اور چوتھی جلد بھی عنقریب شائع ہو جائے گی۔ بندہ نے حضرت مولانا ایوب صاحب اور حضرت والد محترم مفتی شبیر احمد صاحب کے حکم سے حضرت شیخ کی صحیح مسلم اور شرح نووی پر تعلیقات کو ترتیب دینے کا کام شروع کیا ہے، قارئین سے دعاء کی درخواست ہے کہ حق تعالیٰ شانہ تکمیل کی توفیق وسعادت سے نوازے۔